اگست ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ!
- تحریک پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات
  امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تازہ ترین تحریریں
- فرائض دینی کا جامع تصوّر (ایک فکر انگیز خطاب)

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

آپ نے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کر لیا!

اللہ آپ کو مبارک کرے!!

یہ دراصل علم کی دنیا میں 'داخلہ' (انٹرنس) کا مرحلہ ہے اور اب آپ کو طے کرنا ہے کہ کیا آپ محض دنیاوی علم حاصل کرنے پر اکتفا کریں گے یا دینی اور دنیوی دونوں علوم کے حصول کو ترجیح دے کر بالغ نظری کا ثبوت دینگے!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قائم کردہ

# قرآن کالج لاہور

میں آپ صاف ستھرے ماحول اور دینی فضا میں قرآن کی ہدایت اور عربی زبان کی تحصیل کے ساتھ فلسفہ، معاشیات، یا سیاسیات کے ساتھ ایف اے اور بی اے کر سکیں گے۔ ایک محدود تعداد میں عمدہ سہولتوں اور دینی تربیت کے ساتھ ہاسٹل کی سہولت بھی موجود ہے۔ دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں یا خود تشریف لا کر معلومات حاصل کریں۔

(نوٹ: داخلہ فارم وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۰ اگست ہے)

بختیار حسین صدیقی (پرنسپل) سابق پرنسپل۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن۔ لاہور

قرآن کالج، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور فون: ۸۳۳۶۳۸

اُذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔


جلد: ۴۱
شمارہ: ۸
صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
اگست ۱۹۹۲ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-


# ماہنامہ میثاق لاہور


مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد



ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر


## سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ - امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ - امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ - امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ - ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ - لاہور (پاکستان)


مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷ - اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات


**عرضِ احوال** ——— ۴

عاکف سعید

**تذکرہ وتبصرہ** ——— ۷

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ!

تحریکِ پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات

ڈاکٹر اسرار احمد

**دینی فرائض کا جامع تصور** ——— ۲۱

امیر تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

**کتابیات** ——— ۵۸

ساتواں کبیرہ : میدان جنگ سے فرار

آٹھواں کبیرہ : پاک دامن خاتون پر زنا کی تہمت لگانا

ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

**افہام وتفہیم** ——— ۶۷

ایک خط اور اس کا جواب

پروفیسر عبدالماجد/ چوہدری غلام محمد

**رفتارِ کار** ——— ۷۳


**اعتذار**

امیرِ تنظیم اسلامی کا سلسلۂ درسِ قرآن "الہدیٰ" گذشتہ کئی سالوں سے "میثاق" میں شائع ہوتا ہے۔ بعض وجوہات کی بنا پر پچھلے چند ماہ سے اسکی اشاعت کا سلسلہ منقطع تھا۔ اس پر بعض قارئین کی جانب سے احتجاجی مراسلے بھی موصول ہوئے۔ ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ زیرِ نظر شمارے سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کریں گے۔ لیکن عین وقت پر کمپیوٹر کی خرابی کے باعث اس کی کمپوزنگ مکمل نہ ہو سکی جس کے باعث اسے شاملِ اشاعت نہیں کیا جاسکا۔ آئندہ یقینی طور پر ان شاء اللہ وہ پرچے کا حصہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض احوال

"تفکر و تذکر" کے زیر عنوان آج کل روزنامہ نوائے وقت میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا جو ہفتہ وار کالم جمعہ کے جمعہ شائع ہو رہا ہے توقع ہے کہ اکثر قارئینِ "میثاق" کی نظر سے گزرتا ہوگا۔ ملک کے پڑھے لکھے عوام تک اپنی بات پہنچانے کا یہ ایک مؤثر اور مفید ذریعہ ہے۔ اس سلسلے کا ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ امیرِ تنظیم کے لئے بہت سی ان باتوں کو کہ جنہیں وہ ضبطِ تحریر میں لانا چاہتے تھے' جن میں منہج انقلابِ نبویؐ سرِ فہرست ہے' لیکن بعض دیگر مصروفیات کی وجہ سے ہنوز اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے تھے' اب سپردِ قلم کرنا ان شاء اللہ ممکن ہوجائے گا کہ ہفتہ واری کالم کی ذمہ داری کالم نگار کو پابند کردیتی ہے اور اس ذریعے سے امید ہے کہ بہت سا مفید علمی و تحریکی مواد امیر تنظیم کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوجائے گا۔

الحمد للہ "تفکر و تذکر" میں کچھ تمہیدی اور ضروری نوعیت کے مضامین کی اشاعت کے بعد اب انقلابِ نبویؐ کے منہاج پر براہ راست گفتگو کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے۔ تاہم حال ہی میں ۳۱ر اگست کو شائع ہونے والے کالم میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے کو درمیان سے روک کر پھر کچھ اصولی باتوں کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے اور مملکتِ خداداد پاکستان کے حوالے سے اپنی قلبی کیفیات کو' جن میں امید اور بیم دونوں پہلو شامل ہیں' بڑی دلسوزی کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے اور ان کے لئے دلائل و شواہد کو نہایت جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح جمعہ ۷ر اگست کے لئے جو کالم اخبار کو بھیجا گیا ہے اس میں تحریک پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات پر اصولی گفتگو ہوئی ہے۔ ان دونوں مضامین کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر زیر نظر شمارے میں انہیں "تذکرہ و تبصرہ" کے زیر عنوان شامل کیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"فرائضِ دینی کا جامع تصور" تنظیم اسلامی کے اہم اور بنیادی کتابچوں میں سے ایک ہے جو دراصل امیر تنظیم اسلامی کے ایک خطاب پر مشتمل ہے۔ بعض دیگر کتابچوں کی

مانند اس کا معاملہ بھی یہ تھا کہ اسے عجلت میں کیسٹ سے اتار کر اور ضروری نظر ثانی کئے بغیر کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا۔ مزید برآں کتابت کے اعتبار سے بھی یہ کتابچہ معیار پر پورا نہ اترتا تھا۔ اب بحمد اللہ اسے مزید Edit کر کے کمپیوٹر کتابت کے ساتھ طباعت کے لئے تیار کیا گیا ہے اور کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے زیر نظر شمارے میں اسے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ماہ جولائی کے اواخر میں ترکی کے سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ انہیں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکا کی جانب سے ان کے کنونشن میں خصوصی مہمان مقرر کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ یہ ایک مختصر دورہ تھا جو قریباً ایک ہفتے پر محیط تھا۔ الحمد للہ کہ محترم ڈاکٹر صاحب واپس تشریف لا چکے ہیں اور آئندہ جمعہ مسجد دار السلام میں اپنے دورہ کے تاثرات بیان فرمائیں گے، جنہیں اگر اللہ نے چاہا تو "ندائے خلافت" یا "میثاق" کے آئندہ شمارے میں شائع کر دیا جائے گا۔

☆ ☆ ☆

ملکی حالات کے بارے میں محترم ڈاکٹر صاحب اپنے خطاباتِ جمعہ میں وقتاً فوقتاً اظہارِ خیال فرماتے ہیں اور ان کے "پریس ریلیز" میثاق میں بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ ۳ر جولائی اور ۱۰ر جولائی کے خطابات کے پریس ریلیز کے چیدہ چیدہ حصے حسب ذیل ہیں:

" لاہور، ۳ جولائی: پاکستان کے افق پر مارشل لاء کے امکانات کے بادل گہرے اور دبیز ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ملک کے دستور و آئین اور سیاسی عمل کو بچانے کی مہلت بڑی تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دار السلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ کے آخری حصے میں کیا۔ انہوں نے اپنے سابقہ موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ مارشل لاء سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ موجودہ اسمبلیوں کو کالعدم قرار دے کر فی الفور ملک گیر سطح پر منصفانہ انتخابات کرا دیئے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ سندھ میں آرمی ایکشن کے بارے میں یہ سوال اٹھا کر کہ یہ فیصلہ صحیح تھا کہ غلط، درحقیقت فوج کو بدنام کرنے اور اس کے کردار کو مشکوک بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور یہ چیز ملک و قوم کے مستقبل کے اعتبار سے خوفناک اثرات کی حامل ہوگی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے واضح کیا کہ اگر

سندھ میں آرمی ایکشن کے معاملے میں کامل غیر جانبداری نہ برتی گئی اور کسی ایک پارٹی یا چند مخصوص عناصر کے خلاف کارروائی کرنے کے بعد اس معاملے کو درمیان میں روک دیا گیا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور فوج کی نیک نامی کو سخت دھچکا لگے گا۔ اس صورت میں اس بات کا شدید اندیشہ موجود ہے کہ مارشل لاء کا ڈراؤنا خواب ایک حقیقت بن کر ہم پر مسلط ہو جائے ——

قبل ازیں امیرِ تنظیم اسلامی نے اپنے خطاب جمعہ میں "اسلام مذہب نہیں دین ہے" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر پر تاسف کا اظہار کیا کہ بد قسمتی سے اسلام کو محض ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ ایک دین یعنی ایک ایسا مکمل نظام زندگی ہے جو تمام شعبوں پر حاوی ہے اور پورے نظام پر اپنا غلبہ چاہتا ہے' جبکہ مذہب کا معاملہ محض چند عقائد اور عبادات تک محدود ہوتا ہے۔ دین ایک ہمہ گیر اور بے کراں حقیقت کا نام ہے' لیکن اگر یہ مغلوب ہو جائے تو اک جوئے کم آب کی صورت میں محض مذہب بن کر رہ جاتا ہے۔ انگریز کی دو سو سالہ غلامی کے دور میں اسلام بس ایک مذہب کی صورت میں باقی تھا اور ہمارے اکثر مذہبی عناصر اس پر بھی یہ سمجھتے تھے کہ اسلام آزاد ہے۔ ہماری سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے مذہبی عناصر کی ایک بڑی اکثریت کے ذہنوں میں اسلام کا تصور ایک مذہب سے زیادہ نہیں ہے' وہ اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ اسلام ایک "دین" ہے جو پورے نظام زندگی پر اپنا غلبہ و تسلط چاہتا ہے۔ دین کو غالب و سربلند کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے تصورات بھی ان کی لغت سے خارج ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلام کے نظام عدل اجتماعی پر زور دیتے ہوئے قرآن حکیم کی متعدد آیات کے حوالے سے بتایا کہ اسلامی نظام میں دولت کی تقسیم کا منصفانہ نظام رائج ہوگا' تمام لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات کے لئے وسائل یکساں بنیادوں پر مہیا کئے جائیں گے اور دولت کی گردش چند ہاتھوں تک محدود نہیں رہے گی۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے معاشرہ دینی اور روحانی اعتبار سے تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے' اس لئے کہ وہ معاشرہ جہاں معاشی انصاف نہ ہو وہاں انتہائی غریب اور انتہائی امیر طبقات وجود میں آتے ہیں۔ انتہائی غریب لوگ اپنی غربت اور معاشی بدحالی کے باعث حیوانی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں اور دین و مذہب اور اللہ سے ان کا رشتہ کٹ جاتا ہے' جبکہ زیادہ دولت مند طبقات اپنے دولت کے نشے میں اللہ کو اور آخرت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے بتایا کہ سودی نظام در حقیقت بد ترین استحصالی نظام ہے۔ اس خبیث نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ حقیقی اسلامی نظام قائم کئے بغیر پاکستان کے حالات میں دیرپا اور مثبت تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔"

" لاہور ' ۱۰ جولائی: ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا ہے کہ سندھ آپریشن کے جزوی نتائج سامنے آنے کے بعد مخصوص حلقوں کی طرف سے افواج پاکستان کے کردار کو متنازعہ بنانے کی مہم کا آغاز ہو گیا ہے جو ہرگز کوئی نیک شگون نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بد ترین حالات میں بھی ہماری افواج کی نیک نامی ' ملک و قوم سے وفاداری اور داخلی نظم و ضبط کے استحکام کی شاندار روایات نے قوموں کی برادری میں ملک کے وقار کو برقرار رکھا اور یہ واحد ریاستی ادارہ ہے جس کی طرف ہر آڑے وقت میں امید بھری نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ لیکن حال ہی میں قومی فوج کو بدنام کرنے کی بظاہر ایک بے ضرر سی کوشش کا آغاز ہوا ہے جو غیر محسوس انداز میں اپنے اثرات چھوڑ رہی ہے اور نتائج کے اعتبار سے ملک و قوم کے حق میں خوفناک ثابت ہوگی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے خبردار کیا کہ موجودہ صورت حال میں واحد چارۂ کار یہ رہ گیا ہے کہ حکومت کو معزول کر کے ایک خالص غیر جانبدار عبوری انتظامیہ کے تحت فوج کی نگرانی میں تازہ منصفانہ انتخابات کرائے جائیں ' جس کی ضمانت افواج پاکستان کی نیک نامی ہی بن سکتی ہے اور اس ضمانت کو بھی مشکوک بنا دینے میں ظاہر ہے کہ ملک و قوم کا بھلا نہیں۔

قبل ازیں انہوں نے مسجد دارالسلام ' باغ جناح میں فلسفۂ شہادت کو اپنے خطاب جمعہ کا موضوع بنایا اور کہا کہ یوں تو اپنے قول اور عمل سے اللہ کے دین کی شہادت دینا ہر مسلمان کا ہر آن فرض ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر وقت زندہ شہید ہونا چاہئے ' تاہم جن لوگوں نے اپنے خون سے اس کی حقانیت کی گواہی دی اور اللہ کے دیئے ہوئے اجتماعی لائحہ عمل ' یعنی نظام خلافت کے تحفظ میں جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہ بلند ترین مناصب پر فائز ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مکی دور سے لے کر خلافت راشدہ کے جزوی خاتمے تک مختلف مراحل کا تعین کیا اور ان کے دوران واقع ہونے والی عظیم شہادتوں کا تفصیلی بیان کرتے ہوئے بتایا کہ آخری مرحلے میں انقلاب دشمن داخلی قوتوں کی ریشہ دوانیاں رنگ لائیں اور امت کا بہت سا قیمتی اثاثہ ان کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ بعد ازاں جو عظیم سانحات ظہور پذیر ہوئے ان کی پشت پر یہودی سازشی ذہن کار فرما تھا۔ تاہم ان کے ضمن میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی بھی ایک فریق کو موردِ الزام ٹھہرانا ہمارے لئے جائز نہیں۔ ان واجب الاحترام شخصیات سے غلطی کا صدور تو ممکن ہے کہ اجتہاد میں اس کا امکان یکساں ہوتا ہے ' لیکن ان میں سے کسی کی نیت پر جو بد بخت حملہ کرتا ہے وہ دراصل خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام دھرنے کی جسارت کر رہا ہے ' کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں صغارِ صحابہؓ میں شمار ہونے والے حضرات بھی اپنے وقت میں

(باقی صفحہ ۹۷ پر)

## تذکرہ وتبصرہ

# مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ!

(یہ تحریر روزنامہ نوائے وقت میں جمعہ ۳۱ جولائی کو "تفکر و تذکر" کے زیر عنوان شائع ہوئی)

گذشتہ چند ہفتوں سے جو مسلسل گفتگو ان کالموں میں چل رہی ہے' آج اس سلسلے کو عارضی طور پر منقطع کر کے کچھ "دردِ دل" بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ بنی کہ بعض احباب کی جانب سے یہ تنقید موصول ہوئی کہ تمہارے "کالم" روزنامے کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتے۔ یہ تو ایک مستقل سلسلۂ مضامین ہے جس کا موضوع دقیق بھی ہے اور ثقیل بھی' جبکہ روزناموں کے کالموں میں روزمرہ کے حالات و واقعات پر ہلکے پھلکے انداز میں بحث کی جاتی ہے۔ میں اس تنقید یا اعتراض کو درست تسلیم کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نہ معروف معنی میں "صحافی" ہوں اور نہ ہی مروجہ مفہوم کے مطابق "کالم نگار" اور واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک سلسلۂ مضامین ہے جس کے ذریعے میں ایک پیغام قوم کو دینا چاہتا ہوں' اور جس کی اشاعت کے لئے میں ادارہ نوائے وقت کا ممنون ہوں' لیکن میرا دعویٰ ہے کہ ان کا موضوع پاکستان کے استحکام ہی نہیں' عین وجود' اور اس کے مستقبل ہی نہیں' حال کے لئے بھی نہایت فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے۔ اور اگرچہ میری یہ حیثیت تو نہیں کہ علامہ اقبال کی طرح یہ احتجاج کر سکوں کہ ؎ "مرا یاراں غزلخوانے شمردند!" تاہم ـــــ یہ درخواست تو کر ہی سکتا ہوں کہ ؎ "مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ!"

میری ان تحریروں کا اصل محرک پاکستان کے وجود اور مستقبل کے بارے میں "امید و بیم" کی وہ کیفیت ہے جس سے میں عرصے سے دوچار ہوں' اور جس کی دو طرفہ شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ساتھ بندہ کے تعلق میں بھی "بین الخوف والرجاء" کی متوازن کیفیت تلقین فرمائی ہے[1] ـــــ اور

---

[1] بلکہ قرآن حکیم میں سورۃ الاعراف کی آیت ۵۶ میں صراحۃً یہ بات مذکور ہے: وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔۔

پاکستان کے وجود اور مستقبل کے بارے میں بھی یہ دو طرفہ کیفیت کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں ہے' لیکن خوف اور رجا کے مابین فاصلے اور امید اور بیم کی کیفیات کی شدت سب میں ایک جیسی نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ ان کے مابین بُعد و فصل اور فرق و تفاوت جتنا زیادہ ہوگا متعلقہ شخص کے لئے معاملہ اتنا ہی زیادہ تکلیف دہ ہوگا------ اور چونکہ یہ کیفیت ادھر کچھ عرصے سے مجھ میں زیادہ ہی شدت اختیار کر گئی ہے' لہٰذا مجبوراً قلم ہاتھ میں لیا ہے تاکہ ابنائے وطن' اور قوم کے خواص و عوام کو اس درد میں شریک کرنے کی کوشش کروں۔

پاکستان کے بارے میں ایک جانب میری امید اور "رجا" کی شدت کا عالم یہ ہے کہ میرے نزدیک اسلام کی نشأۃ ثانیہ' خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دورِ ثانی' اور اسلام کے عالمی غلبے کے عمل کا نقطۂ آغاز اسی خطۂ ارض سے ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ خوف اور اندیشہ بھی ۔ "عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں ۔ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اٹھا!" کے مصداق سوہانِ روح بنا ہوا ہے کہ شاید عذابِ الٰہی کا' آخری اور فیصلہ کن کوڑا ہماری پیٹھ پر برسا ہی چاہتا ہے ۔ اور خاکم بدہن "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!" کا مرحلہ زیادہ دور نہیں رہا! **اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!!**

الحمد للہ کہ جہاں تک میری امید کا تعلق ہے وہ ہرگز نہ وہمی ہے نہ خیالی' بلکہ اس کی اساس ایک جانب گذشتہ چار صدیوں کے ٹھوس تاریخی حقائق و واقعات پر قائم ہے تو دوسری جانب مستقبل کے بارے میں قرآن کے صریح اشاروں اور "الصادق والمصدوق" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشینگوئیوں پر مبنی ہے ۔

قرآن حکیم نے تین مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصف کی آیت ۹ میں واضح ترین الفاظ میں اعلان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد "غلبۂ دینِ حق" ہے[۲]---- دوسری جانب سورۃ سبا کی آیت ۲۸[۳]

---

[۲] هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تاکہ وہ اسے غالب کردے کل کے کل دین پر"۔

[۳] وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

"اور (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر!"

اور سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی بعثت پوری نوع انسانی اور تمام عالم انسانیت کے لئے ہے ---- اور اس صغریٰ کبریٰ کا لازمی منطقی نتیجہ یہ ہے کہ آپؐ کا لایا ہوا دین پورے کرۂ ارضی اور تمام عالمِ انسانیت پر غالب و قائم ہو کر رہے گا!

چنانچہ اسی کی صریح پیشینگوئیاں متعدد احادیث کی رُو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ مثلاً مسند احمد ابن حنبلؒ میں حضرت مقداد ابن الاسودؓ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا: "روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا، نہ اونٹ کے بالوں کے کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ، جس میں اللہ کا دین داخل نہ ہوجائے، خواہ کسی صاحبِ عزّت کے اعزاز کے ساتھ، خواہ کسی کمزور کی زیر دستی کی صورت میں، یعنی یا تو گھر یا خیمے والا اسلام قبول کرلے گا، یا کم از کم اسلام کی بالادستی کو تسلیم کر کے زیردست ہونا قبول کرلے گا!" اسی طرح صحیح مسلمؒ کی روایت کے مطابق جو حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ نے میرے لئے پوری زمین کو لپیٹ یا سکیڑ دیا، چنانچہ میں نے اِس کے تمام مشرق اور تمام مغرب دیکھ لئے ---- اور سن رکھو کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے سکیڑ کر یا لپیٹ کر دکھائے گئے!"

قرآن حکیم کے اِن اشارات اور نبی اکرمؐ کی ان تصریحات کے ساتھ اس ناگزیر اور اٹل حقیقت کو سامنے رکھ کر کہ اس عالمی غلبۂ اسلام کا آغاز لا محالہ کسی ایک علاقے یا ملک ہی سے ہوگا، دنیا کے زمینی اور انسانی جغرافیے پر نظر ڈالئے اور سوچئے کہ وہ خوش قسمت خطۂ ارضی کونسا ہوسکتا ہے اور وہ خوش نصیب قوم کونسی ہو سکتی ہے تو گزشتہ چار سو سال کی تاریخ یہ گواہی دیتی نظر آئے گی کہ اس کے دوران تائید ایزدی سے جتنی تجدیدی مساعی برپا ہوئیں اور مشیتِ خداوندی کے تحت جتنے اعاظم رجال یا مجددینِ ملّت پیدا ہوئے ان سب کا تعلق اسی خطۂ ارضی سے ہے جسے دنیا صنم خانۂ ہند کے نام سے جانتی ہے اور جس کی جملہ دینی ومذہبی، تہذیبی و ثقافتی، اور علمی و فکری وراثت کی امین یہ سرزمین ہے جو پاکستان کے نام سے موسوم ہے! مزید برآں، پورے کرۂ ارضی پر یہ واحد

---

ؔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ○

"اور (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر!"

ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا، اور جس کا وجود میں آنا حقائق و واقعات اور سیاست و عمرانیات کے جملہ اصولوں کے اعتبار سے خالص "معجزانہ" ہے تو پھر کیسے شک کیا جاسکتا ہے اس امر میں کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا گہوارہ اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام اور غلبۂ دینِ حق کے عمل کا نقطۂ آغاز یہی سرزمین بنے گی۔ گویا "میرِ عرب" کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے" الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ: "میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے!"

ایک جانب میری رجا اور امید کا عالم اتنا فرحت آمیز اور مسرت انگیز ہے، تو دوسری جانب خوف کی شدت اور اندیشہ کی حدت کی کیفیت بھی اتنی ہی المناک اور درد انگیز ہے۔ اور وہ بھی خیالی یا وہمی نہیں ٹھوس زمینی حقائق اور ناقابلِ تردید شواہد کے ساتھ ساتھ قرآن میں بیان شدہ اٹل قانونِ قدرت اور ناقابلِ تغیر سنت الٰہی پر مبنی ہے! چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ میں وارد شدہ اس قانونِ قدرت اور سنتِ خداوندی کے تصور سے مجھ پر لرزہ طاری ہوتا ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ سے کوئی وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کرے تو اللہ اسے اخروی سزا سے قبل اس دنیا ہی میں یہ نقد سزا دے دیتا ہے کہ لوگوں کے قلوب میں نفاق کے بیج بو دیتا ہے جو اُس دن تک برگ و بار لاتے رہیں گے جس دن ان کی اللہ سے ملاقات ہوگی![۵] اس لئے کہ اس اٹل قانونِ خداوندی اور سنّتِ الٰہی کا یہ عملی مظہر میری نگاہوں کے سامنے موجود ہے کہ ہم نے مِن حیث القوم جو وعدہ اللہ سے کیا تھا کہ اگر ہمیں انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی سے نجات مل جائے، اور ایک آزاد ملک عطا ہوجائے تو ہم اسے تیرے دین کا گہوارہ، اور نوعِ انسانی کے لئے تیری ہدایت کا مینار بنا دیں گے، اس کی مسلسل خلاف ورزی کا نتیجہ اس دوہرے نفاق کی صورت میں ہم پر بالفعل مسلّط ہے کہ ایک جانب اَخلاق کا جنازہ نکل

---

۵۔ وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ ..... وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○
"اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے (دولت) عطا فرمائے گا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور لازماً نیک لوگوں میں سے ہوجائیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور رخ موڑ لیا پہلو تہی کرتے ہوئے۔ تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کردیا اس دن تک کے لئے جب وہ اس کے حضور حاضر ہوں گے بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو وہ وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس جھوٹ کے جو وہ بولتے تھے"

چکا ہے ' اور قوم بحیثیتِ مجموعی حدیثِ نبویؐ کے الفاظ : "جب بولے جھوٹ بولے ' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے ' اور جب امین بنایا جائے خیانت کرے[6]" کا مکمل نمونہ بن چکی ہے ' ـــــ تو دوسری طرف نفاقِ باہمی کا یہ منظر نگاہوں کے سامنے موجود ہے کہ وہ قوم جو نصف صدی قبل مسلم قومیت کے جذبے سے سرشار ہو کر اور ایک پلیٹ فارم پر ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر "اُمّتِ واحدہ" بن گئی تھی ' آج نسلی ' لسانی اور علاقائی قومیتوں میں تحلیل اور منقسم ہو کر " من دیگرم تو دیگری" کے راگ الاپ رہی ہے ـــــ اور دنیا تماشا دیکھ رہی ہے کہ کرۂ ارض پر اسلام کے نام پر وجود میں آنے والا واحد ملک رکن ناگفتہ بہ حالات اور کیفیات سے دوچار ہے ـــــ اور دشمن نہ صرف یہ کہ فقرے چست کر رہے ہیں کہ: "پاکستان تا حال اپنے تشخص کی تلاش میں سرگرداں ہے!" بلکہ خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر پیشینگوئی کر رہے ہیں کہ: "پاکستان حصے بخرے ہونے کے انجام (بلقانائزیشن) کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے!"

اس پر مستزاد دسمبر ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش کی صورت اختیار کر لینے کے المناک حادثہ کی صورت میں عذابِ الٰہی کا جو کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑا تھا اس کے پس منظر میں جب سورۃ السجدہ کی آیت ۲۱ میں وارد شدہ قانونِ الٰہی کہ "ہم لازماً مزہ چکھائیں گے انہیں چھوٹے عذاب کا ' بڑے عذاب سے قبل ' شاید کہ یہ لوٹ آئیں[8]!" ذہن کے سامنے آتا ہے تو لرزہ طاری ہوتا ہے کہ کہیں قیامِ پاکستان کے چوبیس برس بعد نازل ہونے والا یہ عذاب بھی کسی بڑے عذاب کی تمہید نہ ثابت ہو ' اور اب جبکہ مزید چوبیس برس پورے ہونے میں صرف تین برس باقی رہ گئے ہیں کہیں وہ عذابِ استیصال قریب تو نہیں آگیا جس کی تعبیر قرآن میں کبھی تو یوں کی جاتی ہے کہ: "ایسے ہوگئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں[9]!" اور کبھی ان الفاظ سے کی جاتی ہے کہ "ظالم قوم کی جڑ کاٹ ڈالی گئی![10]" ـــــ اس لئے کہ اِس حقیقت کو جھٹلانا ہرگز ممکن نہیں کہ ۷۱ء کے

---

[6] عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:

[7] آیۃُ المنافقِ ثلاثٌ: اذا حدّث کذبَ واذا وعد اخلف واِذا اُوتمِنَ خانَ (متفق علیہ)

[8] وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

[9] كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا (الاعراف: ۹۲) [10] فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا (الانعام: ۴۵)

المناک حادثہ فاجعہ کے نتیجے میں "ہوش میں آنے" یا اللہ کی جناب میں توبہ اور رجوع کرنے کی کوئی کیفیت ہمارے اندر کم از کم قومی اور اجتماعی سطح پر ہرگز پیدا نہیں ہوئی۔ تو کیا "عذابِ اکبر" کا خوف اور خدشہ صرف خیالی اور وہمی ہے؟ الغرض۔ "اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں۔ کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی" کے مصداق ایک جانب اس انتہائی امید اور رجا، اور دوسری جانب اس حد درجہ مایوسی اور ناامیدی کے مابین مجھے پاکستان ہر لحظہ ایک پل صراط پر سے گذرتا نظر آتا ہے جس سے کامیابی سے گذر گیا تو اسلام کی تجدید اور احیاء کے ساتھ ساتھ دنیوی عزت اور سربلندی، اور سب سے بڑھ کر عالمی غلبۂ اسلام کے نقطۂ آغاز بننے کی سعادت سے ہمکنار ہوجائے گا۔ اور اگر قدم ڈگمگا گئے تو نہ صرف یہ کہ قعرِ ذلت میں گر جائے گا، بلکہ کیا عجب کہ اس کے کئی ٹکڑے ہوجائیں اور سابق سوویت یونین کی طرح پاکستان کا نام بھی دنیا کے نقشے سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے! فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ !!

اِن حالات میں مجھے تو پاکستان کا "روز مرہ" ہی کا نہیں، ہر لمحہ اور ہر لحظہ کا "اصل مسئلہ" یہی نظر آتا ہے کہ یہ سلطنتِ خداداد۔ "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق اپنے اصل مقصدِ قیام کی جانب مراجعت کرے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک پاکستان کے جملہ مسائل اور تمام مشکلات کا واحد حل اسی ایک مسئلے میں مضمر ہے کہ یہاں اسلام عملاً قائم ہو!

البتہ "اسلام کے قیام" کے بارے میں بھی میں حسب ذیل آراء پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں۔ (جن میں سے بعض کے بارے میں کسی قدر تفصیلی گفتگو گذشتہ چند ہفتوں کے دوران اِن کالموں میں ہوچکی ہے)۔

۱) "اسلام کے قیام" سے اصل مراد اور مطلوب صرف عقائد کی تصحیح اور عبادات اور انفرادی نیکی کا فروغ یا چند حدود و تعزیرات کا نفاذ نہیں ہے بلکہ اسلام کے "نظامِ عدلِ اجتماعی" کا قیام ہے۔

۲) یہ عظیم مقصد صرف تعلیم و تربیت، وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو نہ قرآن میں جہاد اور قتال کا تذکرہ تک ہوتا، نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنا خون بہانے اور اپنے بہترین اور عزیز ترین

ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت پیش آتی۔ اس لئے کہ آپؐ سے بڑا داعی و مبلغ، اور معلم و مزکّی نہ آپؐ سے قبل کوئی ہوا نہ آئندہ کبھی ہو سکتا ہے۔

۳) اسی طرح یہ مقصدِ عظیم انتخابی سیاست اور کشاکشِ اقتدار (پاور پالیٹکس) میں شریک ہو کر بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بھی کہ انتخابات بنیادی طور پر کسی قائم نظام کو چلانے کے لئے ہوتے ہیں، گویا ان کا فطری تقاضا "Status Quo" کو برقرار رکھنا ہوتا ہے، نہ کہ کوئی بنیادی تبدیلی لانا۔ اور اس لئے بھی کہ بالفعل کسی بھی معاشرے میں ووٹروں کی عظیم اکثریت ان لوگوں کے چنگل میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے جن کو موجود الوقت Politico_Socio_Economic System میں مراعات و مفادات حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا انتخابات خواہ کتنے ہی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کیوں نہ ہوں، ان کے ذریعے صرف ہاتھ یا چہرے تو بدل سکتے ہیں، یا اس سے بھی ادنیٰ درجہ میں پیشانیوں کے لیبل تبدیل کرائے جاسکتے ہیں، سماجی و اقتصادی نظام میں کوئی بنیادی (ریڈیکل) تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔

۴) بنا بریں پاکستان میں اسلام کا قیام، یا بالفاظِ دیگر اس کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا نفاذ، ایک بھرپور اور گمبھیر انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے، جس کے لوازم و شرائط، اور مدارج و مراحل کے فہم و شعور کا واحد منبع اور سرچشمہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ پوری توجّہ کو "منہجِ انقلابِ نبویؐ" پر مرکوز کر کے پہلے خالص معروضی انداز میں سمجھا جائے کہ اب سے چودہ سو سال قبل آپؐ نے تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہر اعتبار سے محیّر العقول انقلاب کس طرح برپا کیا تھا، اور پھر واضح طور پر متعین کیا جائے کہ موجودہ حالات میں اُس وقت کے مقابلے میں کن کن پہلوؤں سے کیا کیا تبدیلیاں آئی ہیں اور ان کی بنا پر آپؐ کے منہاجِ انقلاب میں کن معیّن اجتہادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

۵) پھر جو لوگ اور جو ادارے مختلف تعلیمی، تبلیغی یا اصلاحی کاموں میں مصروف ہیں ان کے لئے تو اتنا بھی کافی ہوگا کہ وہ اپنے ان تمام کاموں کو جاری رکھتے ہوئے صرف ان کے رخ کو انقلاب کی جانب موڑ کر، گویا انہیں "Revolution Oriented" بنا کر، انقلابی عمل سے ہم آہنگ کردیں۔ لیکن جو قوتیں پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام کے مقصد ہی کے لئے ملک کی انتخابی سیاست میں شریک ہیں ان کو تو

نہایت سنجیدگی کے ساتھ اپنے طریق کار پر نظر ثانی کرنی ہوگی اور یہ طے کرنا ہوگا کہ انتخابی سیاست سے یکسر کنارہ کش ہو کر اپنی پوری جدوجہد اور جملہ مساعی کو انقلاب کے لئے وقف کردیں اور اگرچہ "منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!" کے مصداق جماعتوں اور تحریکوں کے لئے طریق کار کی اتنی بنیادی تبدیلی بہت مشکل ہوتی ہے' تاہم میں گزشتہ چار صدیوں کے تاریخی شواہد ' اور جناب صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں کی بناء پر قیام پاکستان کے مانند اس "معجزہ" کے ظہور سے بھی ناامید نہیں ہوں۔

اور مقصد کے حصول کی ادنیٰ سی کوشش کے طور پر میں "منہج انقلاب نبویؐ" کے مطالعہ و تجزیہ پر مشتمل یہ سلسلۂ مضامین مسلمانانِ پاکستان کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

# تحریکِ پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات

(روزنامہ نوائے وقت ـــــــ "تفکر و تذکر" ـــــــ جمعہ ۷ راگست)

چند روز قبل چودہ اگست کے قرب کی مناسبت سے ایک خصوصی فیچر کی تیاری کے ضمن میں ایک نئے روزنامے سے منسلک نوجوان صحافی تشریف لائے اور انہوں نے مجھ سے "نظریۂ پاکستان" اور قیام پاکستان کے محرکات کے بارے میں سوالات کئے' تو بعض حقائق کی تعبیر کے لئے اچانک جو الفاظ زبان پر آئے ان کا یہ واضح اثر بھی صاف دیکھنے میں آیا کہ اس نوجوان صحافی کی گویا بہت سی الجھنیں ایک دم حل ہوگئیں اور ایک اطمینان اور انشراح کی کیفیت ان کے چہرے پر نمایاں ہوگئی' اور خود مجھے بھی حیرت ہوئی کہ اس اسلوب کی جانب خود میرا ذہن اس سے قبل کبھی منتقل نہیں ہوا تھا۔ تو خیال آیا کہ جب "منہج انقلابِ نبویؐ" پر گفتگو کے سلسلے میں ایک وقفہ پڑ ہی گیا ہے تو کیوں نہ لگے ہاتھوں اس اہم لیکن پریشان کن حد تک الجھے ہوئے مضمون کی یہ آسان تعبیر بھی

ہدیۂ قارئین کر ہی دی جائے جو ۔ "آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں" کے مصداق حال ہی میں عطا ہوئی ہے ۔ کیا عجب کہ اس نوجوان صحافی کی طرح اور بھی بہت سے نوجوانوں کی الجھن رفع ہو جائے ۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ تحریک پاکستان کے دو بنیادی محرکات تھے' جن میں سے ایک کو "دفاعی" کے لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور دوسرے کو "احیائی" کا عنوان دیا جاسکتا ہے ۔ اور اگر پہلے کو منفی قرار دیا جائے اور دوسرے کو مثبت تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ بجلی کی رو کے جاری رہنے کے لئے بھی ہمیشہ دو تاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور مثبت پہلو کے ساتھ منفی پہلو بھی اکثر و بیشتر معاملات میں عملاً درکار ہوتا ہے اور کسی بھی درجہ میں غیر ضروری یا استحقار کے قابل نہیں سمجھا جاتا!

تحریک پاکستان کا دفاعی یا منفی محرک تو یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کو بحیثیت ایک قوم اپنے سے کئی گنا بڑی ہندو قوم سے یہ "خوف" اور "خطرہ" لاحق ہو گیا تھا کہ اگر ہندوستان ایک سیاسی وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوا تو وہ اپنی جارحانہ اکثریت (Brute Majority) کی بنا پر اس کے ساتھ نہ صرف یہ کہ انصاف نہیں کرے گی' بلکہ اسے باضابطہ اپنے اقتصادی و معاشی استحصال' اور تہذیبی و ثقافتی استبداد کا نشانہ بنائے گی ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمانانِ ہند اپنے اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد اور جداگانہ مملکت کے قیام کی کوشش کریں۔

جہاں تک ان سوالات کا تعلق ہے کہ یہ "خوف" اور "اندیشہ" حقیقی اور واقعی تھا یا خیالی اور وہمی ؟ ـــــ اور اگر حقیقی اور واقعی تھا تو اس کے اسباب کیا تھے؟ تو یہ بجائے خود نہایت اہم ہونے کے باوجود اِس وقت کی گفتگو کی حدود سے خارج ہیں ۔ اور ویسے بھی یہ مسائل بہت طوالت طلب ہیں' اس لئے کہ ان اسباب کا سلسلہ کم و بیش ایک ہزار سالہ تاریخ کے دور دراز گوشوں تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس وقت کی گفتگو کے اعتبار سے یہ ناقابلِ تردید حقیقت کفایت کرتی ہے کہ ہندوستان کی مسلمان قوم کو فی الواقع یہ خوف لاحق تھا' اور چونکہ "خوف" ایک منفی جذبہ ہونے کے باوجود فی الواقع بہت طاقتور محرک ہے ـــ جس کی ادنیٰ اور عام مشاہدے کی مثال یہ ہے کہ بلی جیسا مختصر اور حقیر سا جانور بھی جب اسے اس طرح گھیر لیا جائے کہ کوئی جائے فرار نظر نہ آئے تو وہ

آگ بگولا ہو کر انسان تک پر حملہ آور ہو جاتی ہے ـــــ لہٰذا مسلمانانِ ہند کا یہ منفی اور دفاعی جذبہ بھی بہت قوی ثابت ہوا اور اس نے ایک بظاہر خوابیدہ اور منتشر قوم میں جوش اور جذبہ کی آگ بھر دی!

دوسری جانب ایک مثبت "احیائی" جذبہ بھی اس صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے بعد' پورے عالم اسلام میں بالعموم اور برِعظیم پاک و ہند میں بالخصوص' پروان چڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی توجیہہ "مدّ و جزر" کے اس عام طبعی قانون کے تحت بھی کی جا سکتی ہے جس کی دہائی مولانا حالی نے نہایت مایوسی اور دل گرفتگی کے عالم میں دی تھی یعنی ۔ "پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے ۔ اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے" اور ۔ "مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد۔ دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے!" لیکن اصل میں اس کے ڈانڈے اللہ کے ان اٹل فیصلوں' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان واضح پیشینگوئیوں سے ملتے ہیں جن کا ذکر گذشتہ جمعہ کی معروضات میں ہو چکا ہے۔

بہر حال' جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے' یہ عمل اگرچہ عالمگیر تھا یعنی اس کا آغاز پوری امتِ مسلمہ میں ہوا تھا' چنانچہ اسی کے نتیجے میں عالم عرب کی عظیم تحریک "الاخوان المسلمون" منصۂ شہود پر آئی تھی' لیکن برِعظیم پاک و ہند میں اس کی شدت اپنی مثال آپ تھی۔ چنانچہ اس کا اولین ظہور تحریکِ خلافت کی صورت میں ہوا جس کی شدت اور حدّت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مسلمانانِ ہند میں تو ایک آگ بھڑکا ہی دی تھی بالغ نظر ہندو سیاستدانوں کو بھی اس میں شمولیت پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ برِعظیم پاک و ہند کا پورا طول و عرض ۔ "بولی اماں محمد علی کی ۔ جان بیٹا خلافت پہ دیدو!" کے شور سے گونج اٹھا تھا۔ تاہم چونکہ اس تحریک کی اساس حقیقت پسندی سے زیادہ جذباتیت پر تھی لہٰذا یہ تو طوفان کے مانند اٹھنے کے باوجود جلد ہی بلبلہ کی طرح بیٹھ گئی ۔ لیکن اس "احیائی" جذبے نے ۔ "فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا!" کے مصداق ایک جانب تو ایسی دو "خالص" احیائی تحریکوں کا قالب اختیار کیا جو اگرچہ بظاہر تو ایک دوسرے کی کامل ضد اور ہر اعتبار سے ایک دوسرے کا مکمل "Anti-thesis" تھیں (پیاری مراد تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی سے ہے!) لیکن وہ بھی بحمد اللہ بجلی کے مثبت اور منفی تاروں ہی کے مانند جسدِ ملی میں احیائی کرنٹ کے دوڑنے کا ذریعہ ثابت ہوئیں' اور

دوسری طرف یہی احیائی جذبہ عوامی اور ملک گیر سطح پر اور کسی قدر ہلکے، دھیمے اور غیر محسوس انداز میں تحریک پاکستان میں سرایت کرگیا۔۔۔۔ چنانچہ یہ تحریک پاکستان کے ان دو منفی اور مثبت محرکات و عوامل ہی کے نتیجے میں دوڑنے والے کرنٹ کی کارفرمائی اور اثر انگیزی تھی کہ ہندوؤں ایسی عظیم الجثہ اور بیدار و سرمایہ دار، اور منظم و تعلیم یافتہ قوم، اور انڈین نیشنل کانگرس ایسی عظیم تنظیم کی سرتوڑ مخالفت کے باوجود اور اس پر مستزاد انگلستان کی لیبر حکومت کی شدید ناپسندیدگی کے علی الرغم قیام پاکستان کا "معجزہ" رونما ہوگیا۔

تحریک پاکستان کے ان دو منفی اور مثبت یعنی دفاعی اور احیائی عوامل کی پہچان کے ساتھ ساتھ اس حقیقتِ کبریٰ کے ساتھ وابستہ چند دوسرے اہم حقائق کا شعور و ادراک بھی مستقبل میں صحیح رخ پر پیش رفت کے لئے ضروری ہے۔

۱) اولین یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا چاہیے کہ تحریک پاکستان کی بالفعل کامیابی میں ان دونوں عوامل کی کارفرمائی کے ضمن میں نسبت و تناسب کے اعتبار سے منفی یا دفاعی محرک کا پلڑا دوسرے یعنی احیائی محرک کے مقابلے میں بہت بھاری تھا۔ اور اگرچہ "قوم" کو مجتمع اور متحرک کرنے کے لئے اس کی قومیت کی واحد اساس یعنی دین و مذہب کا حوالہ اور مذہبی جذبات سے اپیل ناگزیر ضرورت تھی، یہی وجہ ہے کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ" کا نعرہ، خواہ وہ بقول سردار شوکت حیات خاں بعض نوجوانوں ہی نے ایجاد کیا ہو، زباں زدِ خواص و عوام ہوگیا، اور تقریباً ربع صدی کے بعد برعظیم پاک و ہند کا طول و عرض ایک بار پھر اس عوامی نعرے سے اسی طرح گونج اٹھا، جس طرح "جان بیٹا خلافت پہ دیدو!" کے ترانے سے گونجا تھا، تاہم حقیقتِ واقعی یہی ہے کہ اس کی حیثیت زیادہ تر جذباتی نعرے، اور زبان کے پھاگ کی تھی، جس کی پشت پر نہ کوئی حقیقی اور واقعی "عزم" موجود تھا، نہ کوئی سنجیدہ اور پختہ "فکر"۔ گویا تحریک پاکستان کا اصل اور فی الواقع مؤثر اور فیصلہ کن جذبہ ہندو کے استحصال اور استبداد کا "خوف" ہی تھا۔۔۔۔ البتہ مثبت احیائی جذبے کی کلی نفی بھی شدید ڈھٹائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ جذبہ مسلمانانِ ہند کے اجتماعی تحت الشعور میں یقیناً موجود تھا۔ اور اسے قومی قیادت کی بصیرت و مہارت کا مظہر ماننا ہوگا کہ وہ اس جذبے کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ بروئے کار

لانے میں کامیاب ہوئی۔

۲) دوسرے یہ کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس کے استحکام کے لئے لازم تھا کہ منفی اور مثبت محرکوں کی متذکرہ بالا نسبت و تناسب کو بالکل برعکس کردیا جاتا اور سارا ارتکاز "احیائی" جذبہ پر کردیا جاتا۔ اس لئے کہ سلطنت کے وجود میں آنے کے بعد "دفاع" کا فریضہ تو بنیادی طور پر افواجِ پاکستان کے حوالے ہوگیا' جس میں عوام کا حصہ تو گاہے بگاہے ایمرجنسی کے مواقع ہی پر متصور ہوسکتا تھا' لہٰذا عوامی سطح پر اس منفی یا دفاعی جذبے کے باقی رہنے کا کوئی امکان باقی نہ رہا' مزید برآں' قیامِ پاکستان کے بعد پیدا ہونے یا شعور کی آنکھ کھولنے والے لوگوں کو تو "ہندو ذہنیت" کا کوئی عملی تجربہ حاصل ہو ہی نہیں سکتا تھا جس کے ردِّ عمل کے طور پر حفاظت اور مدافعت کے جذبات پیدا ہوسکتے ----- اور ان سب پر مستزاد یہ اٹل قانونِ فطرت ہے کہ اگرچہ ہر تعمیر کے لئے مولانا روم کے اس قول کے مطابق کہ ؎ "گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند۔ تو نہ دانی اول آں تعمیر را ویراں کنند!" کسی قدر تخریب لازمی ہوتی ہے' تاہم اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ تخریب کے مرحلے پر تو کوئی منفی جذبہ بھی مؤثر ہوسکتا ہے لیکن "تعمیر" کے لئے لامحالہ کسی مثبت جذبہ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہندو کی ناانصافی کے خوف' اور برہمن سامراج کے اندیشہ نے برعظیم پاک و ہند کو "تقسیم" تو کرادیا' لیکن نوزائیدہ سلطنت کی تعمیر بہرحال مثبت احیائی جذبہ ہی کی اساس پر ہوسکتی تھی۔

اور یہ اس سلسلے کی کمی اور کوتاہی ہی ہے جس کا خمیازہ ہم اس صورت میں بھگت رہے ہیں کہ ۷۱ء میں ملک دو لخت ہوا' اور تاریخ انسانی کی عظیم ترین اور ذلت آمیز شکستوں میں سے ایک ہمارے حصے میں آئی' اور "بچے کھچے" پاکستان کا حال بھی اس درجہ ناگفتہ بہ ہے کہ ایک جانب سیاسی افراتفری انتہا کو پہنچی ہوئی ہے' تو دوسری جانب انتظامی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح ایک طرف رشوت اور کمیشن "معروف" کے درجہ میں آچکے ہیں' تو دوسری جانب غبن اور سکینڈل اربوں روپے کے ہوتے ہیں اور پہلے تو یہ کام صرف "بینا" لوگ کرتے تھے اب ایک "نابینا" نے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ کر رکھ دئے ہیں۔ مزید برآں' ایک جانب اعلیٰ عدالتیں خبردار کررہی ہیں کہ "ہم قومی سطح پر تمام اداروں کو رفتہ رفتہ تدریجاً ختم کرنے کے عمل میں مصروف

ہیں" تو دوسری جانب ملک کی اساسی دستاویز یعنی دستورِ مملکت کی تعبیر میں بھی اعلیٰ عدالتوں کے مابین زمین اور آسمان کا فرق واقع ہوتا چلا جارہا ہے ---- الغرض حالات ہر اعتبار سے اتنے تشویشناک ہیں کہ بسا اوقات ملک کے مستقبل کے بارے میں "امید" کا دامن ہاتھ سے ۔" سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے۔ کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے !" کے سے انداز میں چھوٹتا محسوس ہوتا ہے!---- اور اس صورت حال کا واحد علاج ۔" علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!" کے مصداق صرف یہ ہے کہ جو مہلت بھی قدرت کی جانب سے عطا ہوجائے اسے غنیمت جانتے ہوئے قوم کے جملہ طبقات اپنی تمام تر مساعی کو اسی "احیائی" جذبے کی سمت میں موڑ دیں ۔ مبادا مہلت ختم ہوجائے اور پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے اور وہ صورت پیدا ہوجائے کہ ۔" جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!"

۳) تیسری حقیقت جس کی جانب شعوری توجہ مبذول کرنے کی شدید ضرورت ہے' یہ ہے کہ پاکستان کا قیام جن دو عظیم شخصیتوں کا مرہونِ منت ہے ان کے کردار اور خدمات کی نوعیت اور خاص طور پر تحریک پاکستان کے متذکرہ بالا منفی اور مثبت محرکات کے ساتھ نسبت و تعلق میں ایک باریک سا فرق موجود ہے' جس کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث نہ صرف یہ کہ ذہنوں میں بہت سا خلط مبحث اور بحث و گفتگو میں شدید الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے' بلکہ قوم و ملک کے لئے اقدار اور نظام کی سمت معین کرنے میں اس نوعیت کا "کنفیوژن" پیدا ہوجاتا ہے جس کی جانب ملک کے ایک مشہور صحافی آج کل بار بار اشارہ کر رہے ہیں۔

ویسے تو قائداعظم کا یہ فرمانا بھی یقیناً صحیح ہے کہ پاکستان کی بنیاد اسی دن پڑ گئی تھی جس دن ہندوستان میں پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور اسی طرح یہ بات بھی یقیناً بہت وزنی اور معقول ہے کہ پاکستان کے قیام میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے "ہند میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی" کا فریضہ سرانجام دے کر فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ اور علیٰ ہذا القیاس گذشتہ صدی کے اواخر میں سرسید احمد خان مرحوم نے بھی مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کے برقرار رکھنے میں اہم رول ادا کیا ---- تاہم واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام بالآخر اور فی الواقع جن دو عظیم شخصیتوں کا مرہونِ منت ہوا وہ ہیں حکیم

الملت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ---- اور قائداعظم محمد علی جناح۔

لیکن ان دونوں کے مابین اس فرق و تفاوت کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ پاکستان کے ساتھ ان دونوں کی نسبتوں میں یہ فرق ہے کہ علامہ اقبال "مفکر و مصور و مجوزِ پاکستان" ہیں جبکہ قائداعظم کی حیثیت "بانی و مؤسس و معمارِ پاکستان" کی ہے ---- مزید برآں قائداعظم کی سوچ اور سعی و جہد کا ارتکاز زیادہ تر "دفاعی" پہلو پر تھا' جبکہ علامہ اقبال کے فکر کا رجحان غالب "احیائی" پہلو کی جانب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دسمبر ۳۰ء میں خطبۂ الٰہ آباد میں قیام پاکستان کا مقصد یہ معین کیا تھا کہ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے ہیں انہیں ہٹا کر اس کا اصل رخِ روشن دنیا کو دکھایا جائے۔ بنا بریں اگرچہ قیام پاکستان کے لئے جو چھوٹی جنگ قائداعظم مرحوم نے انگریزوں' ہندوؤں' نیشنلسٹ مسلمانوں' اور خود قومی تحریک میں شامل منافقوں کے ساتھ لڑی وہ تو واقعۃً ان ہی کا کام تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حالات کی مناسبت سے محیر العقول' اور فی الواقع "معجزانہ" صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود علامہ اقبال نے ان کی قیادت میں مسلم لیگ کے ایک "ماتحت عہدیدار" کی حیثیت سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور اس اعتبار سے ہر پاکستانی مسلمان کو ذاتی طور پر ان دونوں کا احسان مند ہونا چاہئے ---- لیکن "نظریۂ پاکستان" کی تعبیر و تشریح اور پاکستان کے لئے دستوری و قانونی' تہذیبی و ثقافتی' سماجی و معاشرتی' اور اقتصادی و معاشی اقدار کے تعین اور ان جملہ شعبہ ہائے زندگی کے لئے عملی نظام کی تشکیل کے ضمن میں رہنمائی کے لئے زیادہ رجوع علامہ اقبال کی جانب ہونا ضروری ہے ---! اس لئے کہ ان ہی کا فکر اور فلسفہ عہد حاضر میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کی عملی و فکری ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اور ان ہی کا پیغام "تجدید و احیائے دین" کے قافلے کے لئے "بانگِ درا" کا کام دے سکتا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین!

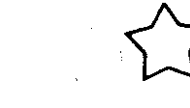

# دینی فرائض

کا

# جامع تصوّر

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیمِ اسلامی

کا ایک اہم خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کَمَا وَرَدَ فِیْ سُوْرَۃِ اٰلِ عِمْرَان :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

وقال اللّٰہ عزّ وجلّ فی سورۃ الذّاریات :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

وقال اللّٰہ تبارک وسبحانہٗ فی سورۃ البقرۃ :

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ
عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط

وقال اللّٰہ عزّ وعلا فی سورۃ الشّوریٰ :

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ
اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَ
عِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط

صدق اللّٰہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

سب سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس موضوع یعنی "دینی فرائض کا جامع تصور" کی اہمیت کو سمجھ لیا جائے۔ دیکھئے اگر کسی شخص کو ملازم رکھا جائے اور اسے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض معین طور پر گن کر بتا دیئے جائیں کہ مثلاً یہ دس کام یا فرائض (Duties) ہیں جو آپ کو انجام دینے ہیں تو اب اگر بالفرض وہ شخص ان میں سے چار فرائض سرے سے بھول جائے اور اسے چھ ہی یاد رہیں، تو اس کے باوجود کہ وہ شخص پورے خلوص اور امکانی حد تک محنت سے ان چھ کاموں کو انجام دینے کی سعی کرے اور اس میں کامیاب بھی ہو، لیکن جو چار فرائض اسے یاد ہی نہیں رہے تو ظاہربات ہے کہ وہ ان کو بجا نہیں لا سکتا اور کوئی عجب نہیں کہ یہی اہم ترین فرائض ہوں۔ اس لئے میں آج ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ دینی فرائض کا ایک جامع ترین تصور آپ کے سامنے پیش کروں۔

## انسانی عمل کے دو محرکات

بطور تمہید میں عرض کروں گا کہ انسان کے عمل میں دو علیحدہ علیحدہ چیزیں محرک کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ ایک ہے نیت اور ارادہ—— یعنی یہ کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی توحید اور شرک کے اجتناب کے ساتھ مان لیا۔ جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر یہ کہ بعث بعد الموت اور محاسبۂ اخروی پر بھی ہمارا کامل یقین ہے تو اس ایمان و تسلیم اور ایقان و تصدیق کا لازمی اور منطقی تقاضا یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم ملے وہ سر آنکھوں پر۔ اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ نیت اور ارادہ ہی نہ ہو تو آگے قدم اٹھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ گویا اعمالِ انسانیہ میں "ارادہ" کو بنیادی مقام حاصل ہوتا ہے۔

آپ کو شاید معلوم ہو کہ اسی لفظ ارادہ سے اسم فاعل "مرید" بنتا ہے۔ ہمارے یہاں تزکیۂ نفس کا جو نظام عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے اس کا نقطۂ آغاز ہی یہ لفظ

"مرید" ہے۔ "مرید" سے مراد وہ فرد ہے جو اس بات کا ارادہ کرلے کہ وہ دین پر چلے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ کسی ایسے شخص سے اپنا تعلق جوڑتا ہے جس پر اسے اعتماد ہو کہ یہ شخص مخلص ہے' دکاندار نہیں ہے۔ مزید برآں یہ اطمینان بھی ہو کہ یہ دین کو جاننے والا اور بذاتِ خود پابندِ شریعت اور متقی شخص ہے اور یہ کہ اس کی صحبت میں اس کو دین پر چلنے میں تقویت حاصل ہوگی۔ ارادہ تو اس کا اپنا ہوتا ہے' لیکن اس کے لئے تقویت بھی ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ کسی متقی و دین دار عالم کو اپنا مرشد تسلیم کرکے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے' یعنی بیعت کرکے یہ قول و قرار اور عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے اس مرشد کی ہدایات پر عمل پیرا ہوگا اور دین پر چلے گا۔ اس تشریح سے معلوم ہوا کہ "مرید" وہ شخص ہے جو دین پر کاربند ہونے کے ارادے سے کسی صاحبِ حال سے تعلق استوار کرے۔ اور جس سے تعلق قائم کیا جائے وہ مزکّی و مربّی اور مرشد کہلاتا ہے' جس کے لئے فی الوقت ہمارے ہاں عام طور پر لفظ "پیر" مروّج ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے اپنی بے عملیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے جہاں دین کی بہت سی باتوں اور بہت سے کاموں کو بدنام کر رکھا ہے' وہاں پیری مریدی کے سلسلے کو بھی اسی کھاتے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر واقعۃً یہ سلسلہ ہمارے معاشرے میں خالص دکانداری اور محض رسم بن کر رہ گیا ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔

حاصلِ گفتگو یہ نکلا کہ پہلی ضروری چیز اپنا ارادہ ہے' لیکن اتنی ہی ضروری چیز یہ ہے کہ یہ صحیح تصور بھی موجود ہو کہ دین کے حقیقی فرائض کیا ہیں؟ اگر فرائض کا تصور محدود یا ناقص ہوگا تو جو چیزیں کسی کو معلوم ہیں تو ان پر تو وہ عمل کرلے گا لیکن جو چیزیں اسے معلوم ہی نہیں ہیں' ان پر ارادے کے باوجود وہ عمل کیسے کر سکے گا؟ چنانچہ میں آج کی اس صحبت میں اس دوسری بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دینی فرائض کا صحیح اور جامع تصور کیا ہے' تاکہ پورے دین کا مکمل نقشہ ہمارے سامنے موجود ہو اور ہم صحیح طور پر اپنا جائزہ لے سکیں کہ دین کے کتنے حصے پر

ہم عمل پیرا ہیں اور کتنی چیزوں پر عمل نہیں کر رہے! اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جن چیزوں پر عمل ہم نے چھوڑ رکھا ہے وہی چیزیں دینی لحاظ سے اہم ترین ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مغز سرے سے موجود ہی نہ ہو اور ہم صرف چھلکا پکڑے بیٹھے ہوں! شاید آپ نے یہ لطیفہ سنا ہو کہ جب پہلے پہل چائے یورپ گئی تو وہاں لوگ یہ کرتے تھے کہ چائے ابال کر پانی پھینک دیتے تھے اور پتی کھاتے تھے۔ تو کہیں ہمارا حال یہ تو نہیں ہے کہ دین کی اصل ذمہ داریوں اور دین کے اصل فرائض سے صرفِ نظر ہو رہا ہو اور وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہی نہ ہوں اور ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ ہم دین دار ہیں اور پورے دین پر عمل پیرا ہیں! اس کا ازالہ اگر ہو گا تو اسی طرح کہ ہمارے سامنے دین کا پورا خاکہ اور دینی فرائض کا جامع تصور موجود ہو۔

## میرا تصوّرِ فرائضِ دینی

قرآن مجید اور سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے حقیر لیکن معروضی مطالعے سے اس ضمن میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو فہم حاصل ہوا ہے اور جس پر میں اپنی استعداد کے مطابق اور امکان بھر عمل پیرا ہوں' میں وہی آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی دعویٰ نہیں' کوئی تعلّی اور ادّعاء نہیں' صرف اظہارِ واقعہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی کمی' نقص اور تقصیر ہو۔ کوئی بات آج میرے علم میں نہیں ہے' کل آ جائے۔ جب بھی وہ علم میں آئے گی ان شاء اللہ العزیز اسے بھی بیان کردوں گا۔ لیکن آج کی تاریخ تک قرآن حکیم' سنّت و سیرتِ نبویؐ اور سیرِ صحابہؓ کے مطالعے سے اور اس امت کی پوری تاریخ پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد دینی فرائض کا جو صحیح و جامع تصور میرے سامنے آیا ہے' اس کو میں آپ کے گوش گزار کردیتا ہوں۔

# فرائضِ دینی اور ان کے لوازم

اس ضمن میں تین باتیں تو بنیادی و اساسی ہیں اور تین ہی ان کے لوازم ہیں۔ یہ کل چھ باتیں ہوں گی۔۔۔ تین بنیادی و اساسی باتوں کے متعلق میں چاہتا ہوں کہ ابتداءً بھاری بھرکم اصطلاحات سے ہٹ کران کو عام فہم انداز میں آپ کے سامنے پیش کروں۔ اس میں شک نہیں کہ اصطلاحات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور ہر علم اور ہر فن کا اصل اور حقیقی فہم انہی اصطلاحات کے حوالے سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ فزکس نہیں سمجھ سکتے جب تک آپ کی گرفت میں اس کی بنیادی اصطلاحات (Basic Terminologies) نہ آجائیں۔ اسی طرح ہمارے دین کی بھی اصطلاحات ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ لیکن میں چاہوں گا کہ پہلے ان اصطلاحات سے ذرا ہٹ کر بات اصولاً سمجھ لی جائے۔

ان تین بنیادی و اساسی باتوں میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود دین پر عمل پیرا ہوں، اس پر کاربند ہوں۔ دوسری بات یہ کہ ہم دین کو پھیلائیں۔ اور تیسری یہ کہ ہم دین کو قائم کریں۔ یہ ہیں تین بنیادی واساسی باتیں۔ اب ان تینوں کو علیحدہ علیحدہ بھی سمجھ لیجئے۔

## پہلا فریضہ۔۔۔ دین پر کاربند ہونا

پہلی بات کے لئے اب دینی اصطلاحات نوٹ کیجئے۔ تھوڑے سے فرق سے اس کے لئے چار اصطلاحات ہیں۔

(ا) اسلام : سب سے پہلی اصطلاح خود "اسلام" ہے۔ اسلام کا معنیٰ ہے گردن نہادن۔ سرِ تسلیم خم کر دینا۔ انگریزی زبان میں اس کی تعبیریوں ہوگی کہ To give up resistance اور To surrender ___ مفہوم یہ ہوا کہ سر جھکاؤ، سرِ تسلیم خم کرو اور جو بھی حکم ملے اسے بلا چون و چرا قبول کرو۔ اس رویّے کا نام ہے اسلام ___ اور اس

"اسلام" کے لئے قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (البقرہ:۲۰۸)

"اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔"

اس میں داخلہ جزوی طور پر نہیں ہو سکتا کہ کچھ احکام پر تو سرِ تسلیم خم ہے اور کچھ احکام پر عمل کرنے سے انکار و اعراض، سرتابی اور سرکشی۔ اس کا نام اسلام نہیں ہے۔ یہاں تو اصول یہ ہے کہ ماننا ہے تو پورا مانو، ورنہ چھوڑو اور دفع ہو جاؤ۔(Take it all or leave it all)۔ یہاں بیچ بیچ کی بات نہیں چلے گی۔

**(۲) اطاعت:** یہ اسی طرزِ عمل کے لئے دوسری اصطلاح ہے۔ اب معاملہ ذرا آگے بڑھ گیا ہے۔ لفظ اسلام میں تو مقاومت و مخالفت (resistance) ترک کر کے خود کو حوالے (surrender) کر دینے کا مفہوم تھا، جبکہ اطاعت کا لفظ "طوع" سے بنا ہے، جس کا معنیٰ ہے دلی آمادگی۔ اردو میں ہم "بطوعِ خاطر" کے الفاظ بولتے اور لکھتے ہیں۔ گویا دلی آمادگی کے ساتھ سپردگی، حوالگی اور فرماں برداری قبول کر لینے کے رویّے کا نام اطاعت ہے۔ اور اس کے لئے اصول یہ ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (التغابن:۱۲)

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اگر تم روگردانی کرتے ہو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر سوائے واضح طور پر (ہدایات و تعلیماتِ ربانی) پہنچانے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے!"

یہاں بھی وہی انداز ہے جو میں "اسلام" کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں، یعنی یہاں بھی "All or none Law" کار فرما ہے۔ ہمارے نبیؐ کے ذمہ پہنچانا تھا سو انہوں نے پہنچا دیا۔ اب تم اپنا رخ کسی اور طرف کرنا چاہتے ہو، اس دعوت سے اعراض اختیار کرنا چاہتے ہو تو تم اپنی اس سرتابی و سرکشی کے خود ذمہ دار ہو گے۔ تو اسلام "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کے تقاضے اور اطاعت کے مطالبے کے ساتھ مطلوب ہے۔ پھر یہ

اطاعت بھی ہمہ تن اور ہمہ جہت درکار ہوگی۔ یہاں بھی یہ نہیں ہوگا کہ کچھ حکم مانیں گے اور کچھ حکم نہیں مانیں گے۔

(۳) تقویٰ: اس ضمن میں یہ تیسری اصطلاح ہے۔ اسلام اور اطاعت انسان کے مثبت رویّے اور طرز عمل کے مظاہر ہیں۔ ان ہی کو منفی اسلوب سے بیان کیا جائے گا تو وہ ہوگا "تقویٰ"۔ اس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنے سے بچنا' اس کی نافرمانی سے احتراز کرنا' اس کی ناراضگی کا خوف رکھنا' اس کی سزا سے ڈرنا' اور اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اس کے لئے تراجم میں "پرہیزگاری" کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور "ڈر" بھی' لیکن کسی اصطلاح کے ایک لفظ میں ترجمہ سے اس کا صحیح اور مکمل مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
(آیت ۱۰۲)

"اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ اور تم کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔"

اس آیتِ مبارکہ میں منفی رویہ "تقویٰ" اور مثبت رویہ "اسلام" دونوں کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔

(۴) عبادت: اس ضمن میں یہ چوتھی اصطلاح ہمہ گیر اور جامع ترین بلکہ اصل اصطلاح ہے۔ یہاں بات اور آگے بڑھی۔ دینی اعتبار سے لفظ 'عبادت' کا اصطلاحی مفہوم ہوگا "کسی کی محبت سے سرشار ہو کر ہمہ تن' ہمہ وجوہ اور ہمہ وقت اس کی بندگی میں اپنے آپ کو دے دینا"۔ قرآن حکیم میں انسان کی تخلیق کا مقصد ہی اللہ کی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الذاریات میں الفاظ وارد ہوئے ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (آیت ۵۶)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

چنانچہ انسان کا مقصدِ حیات ہی بندگی ہے، غایتِ تخلیق ہی بندگی ہے۔

میں "عبادت" کے مفاہیم و معانی اور مقتضیات و مقدرات کئی بار عرض کر چکا ہوں۔ آج ان سب کو جامعیت کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ عربی کے لفظ عبادت کا مفہوم فارسی کے دو الفاظ کو، جو اردو میں بھی مستعمل ہیں، جمع کر کے ادا کیا جاسکتا ہے۔ وہ دو الفاظ ہیں بندگی اور پرستش۔ بندگی میں اطاعت کا پہلو ہے اور پرستش میں محبت کا! بندہ کے معنی ہیں غلام ـــــ اور غلام ہمہ وقت اور ہمہ تن غلام ہوتا ہے۔ غلامی اور ملازمت میں یہی تو فرق ہے کہ ملازمت کسی معیّن کام کے لئے ہوتی ہے۔ جو شخص مثلاً جھاڑو دینے پر ملازم ہے وہ جھاڑو ہی دے گا، کوئی اور کام تو نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو باورچی کی حیثیت سے ملازم ہے وہ آپ کے گھر کا فرش تو صاف نہیں کرے گا۔ پھر ملازمت معیّن وقت کے لئے ہوتی ہے۔ ملازم سے یہ طے کیا جاتا ہے کہ اسے چار گھنٹے کام کرنا ہے یا چھ اور آٹھ گھنٹے۔ اس کے بعد وہ آپ کا ملازم نہیں۔ لیکن غلامی یا بندگی ہمہ وقت اور ہمہ تن ہوتی ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بہت خوب صورتی سے شعر کے پیرائے میں اس مفہوم کی ترجمانی کی ہے کہ۔

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

پس ذہن میں رکھئے کہ بندگی کے معنی ہیں ہمہ وقت، ہمہ تن اور ہمہ وجوہ اطاعت۔ لیکن محض بندگی یا غلامی "عبادت" نہیں ہے جب تک کہ اس میں پرستش شامل نہ ہو۔ پرستش میں محبت کا جذبہ ہوتا ہے۔ زر پرست وہ ہے جس کو مال سے انتہائی محبت ہو۔ وطن پرست، قوم پرست اور شہرت پرست جیسے الفاظ ہمارے ہاں کثرت سے مستعمل ہیں۔ پرستش اور پرستاری ہمارے جانے پہچانے الفاظ ہیں۔ "پرستار" ہم بولتے ہیں "انتہائی محبت کرنے والے" کے معنی و مفہوم میں۔ چنانچہ عبادت کا مفہوم ہوگا اللہ کی بندگی اور اس کی پرستش۔

**جزوی اطاعت قابل قبول نہیں:** یہ چار اصطلاحات ہیں جن سے دین کا پہلا

اور بنیادی تقاضا ہمارے سامنے آتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں اصل شے جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کو اللہ کی اطاعت کے دائرے میں لانے کا نام بندگی ہے۔ اسلام میں جزوی اطاعت کی مطلق گنجائش نہیں ہے، اس کا مطالبہ کلی اطاعت ہے۔ اس ضمن میں ایک آیت میں آپ کو سنا چکا ہوں یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ ایک دوسری آیت اور سن لیجئے جس سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس میں خطاب یہود سے ہے، لیکن یہ بات جان لیجئے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوئی۔ یہود کو قرآن نے امتِ مسلمہ کے لئے بطورِ نشانِ عبرت پیش کیا ہے۔ اگر امتِ مسلمہ بھی یہ روش اختیار کرتی ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں یہود کے حوالے سے کیا گیا ہے تو پھر ان کے لئے بھی وہی سزا ہے۔ فرمایا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرۃ، آیت ۸۵)

"کیا تم (ہماری) کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو کوئی بھی یہ حرکت کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا میں اسے ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن اسے شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے"۔

یہ وعید اس لئے ہے کہ یہ جو طرز عمل ہے کہ کچھ باتوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا تو اس کے ڈانڈے در حقیقت منافقت سے جڑ جاتے ہیں۔ یہ دو عملی ہے، دو رنگی ہے، یہ دو رخا کردار ہے، جبکہ اللہ کو یک رنگی درکار ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ پس دو رنگی منافقت ہے اور منافقت وہ روگ ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے صراحت کی ہے کہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ○

"منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے اور وہ اپنے لئے کوئی مدد گار نہیں پائیں گے۔" (النساء:۱۴۵)

جن کو بھی قرآن مجید سے تھوڑا بہت شغف ہے' وہ اس بات کو جانتے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب کافروں پر اتنا نہیں بھڑکتا جتنا منافقوں پر بھڑکتا ہے۔ سورۃ الصف میں ہم نے ان دو آیات کا مطالعہ بھی کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○

"اے اہل ایمان! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ یہ بات اللہ کے نزدیک سخت بیزاری پیدا کرنے والی ہے کہ تم جو کہو اس کو کرو نہیں!"

ہم اپنے آپ کو کہتے ہیں مسلم ـــــ اور مسلم کا معنیٰ ہے تابع فرماں۔ جبکہ ہم اللہ کے احکام کو اٹھا کر پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ بندے کا معنیٰ ہے غلام۔ اس حیثیت سے ہمیں اللہ کے تمام احکام ماننے چاہئیں' ان پر عمل کرنا چاہئے۔ جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے' اسے ترک کرنا چاہئے اور جن چیزوں کو واجب اور فرض کیا ہے ان کو ادا کرنا چاہئے۔ اگر ہم ان احکام کو جو ہمیں پسند نہ ہوں' پس پشت ڈال دیں تو ہم پر یہ بات بالکل صادق آئے گی کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ!!

ہماری اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ دین کے تقاضوں میں سے پہلا تقاضا اسلام پر کاربند ہونا اور عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کے لئے اصطلاحات چار ہیں: (۱) اسلام (۲) اطاعت (۳) تقویٰ (۴) عبادت۔ ان میں جامع ترین اصطلاح عبادت ہے' جس کا مفہوم ہمہ تن' ہمہ وقت اور ہمہ جہت بندگی اور پرستش ہے' یعنی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر کلی اطاعت! ـــــ اب میں چاہوں گا کہ ضمیمہ (Appendix) کی حیثیت سے اس کے ساتھ یہ بات جوڑ لیجئے کہ یہ کام آسان نہیں ہے' بڑا مشکل کام ہے۔ اسی لئے تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ۔

چوں می گویم مسلمانم به لرزم　　　که دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

یعنی میں جب یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے' کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ "لا الٰہ الّا اللہ" کہنے سے کیا لازم آتا ہے! جو اس کی حقیقت سے واقف نہیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا' لیکن جن کو اس کلمے کے تقاضوں اور مطالبوں کا علم ہے وہ تو واقعۃً یہ کلمہ زبان سے ادا کرتے ہوئے کانپ اٹھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ کرم فرمایا کہ اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے چار عبادات عطا فرمادیں' جنہیں ارکانِ اسلام بھی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

**قال رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: بُنِیَ الاِ سلامُ علٰی خمسٍ: شَھادۃِ اَن لَا اِلٰہَ اِلا اللّٰہُ وَ اَنّ محمّدًا عبدُہٗ و رَسولہٗ' و اِقامِ الصّلٰوۃِ' و ایتاءِ الزّکٰوۃِ' وَحَجِّ البَیتِ' وَصَومِ رَمضانَ۔ (متفق علیہ)**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا' اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

ہر شخص شہادتین کی ادائیگی سے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یہ گویا بنیاد ہے فاؤنڈیشن ہے۔ عملی ستون چار ہیں: نماز' زکوٰۃ' حج بیت اللہ اور رمضان کے روزے۔ ان ہی کو ہم "عبادات" کہہ دیتے ہیں' اگرچہ پورے قرآن مجید میں ان کے لئے لفظ "عبادت" کہیں نہیں آیا۔ عبادت کا لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے جس کی تشریح میں نے کی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان ہمہ وقت' ہمہ تن' ہمہ جہت' اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اس کی بندگی اور پرستش کرے۔ لیکن یہ "عبادات" اس فریضۂ عبادتِ رب کے لئے انسان کو تیار کرتی ہیں اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اسکی ممد و معاون ہوتی ہیں۔ چنانچہ نماز کا نظام اس لئے عطا ہوا کہ دن میں پانچ مرتبہ

اپنی مصروفیات سے نکلو اور اللہ کے روبرو کھڑے ہو کر اپنے قول و قرار "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کی تجدید کرو۔ لہٰذا فرمایا گیا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ کہ نماز قائم کرو میری یاد کے لئے! کہیں مصروفیات میں گم ہو کر اپنے رب کو بھول نہ جاؤ۔ زکوٰۃ اس لئے مرحمت فرمائی ہے کہ مال کی محبت کو دل سے کھرچا جا سکے، جو بڑی تباہ کن شے ہے اور سو امراض کا ایک مرض ہے۔ روزہ اس لئے فرض ہوا کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ نفس کا گھوڑا بڑا منہ زور ہے، اس کو لگام دینے اور قابو میں رکھنے کی روزوں کے ذریعے تربیت حاصل ہو جائے اور اس کے بے محابا تقاضوں سے بچا جا سکے۔ اور حج کے اندر یہ تمام برکات جمع کر دی گئیں۔ اس میں ذکر بھی ہے، طواف بھی ہے۔ اس میں احرام کی پابندیاں بھی ہیں جو روزے سے مشابہ ہیں۔ اس میں پیسے کا خرچ بھی ہے جو زکوٰۃ کے مشابہ ہے — تو یہ چار ارکانِ اسلام یا چار عبادات اس لئے فرض کی گئیں تاکہ اسلام کی چھت ان ارکان یعنی ستونوں پر استوار ہو جائے۔ یہ ارکانِ اسلام عبادتِ کُلی کے لئے سہارے اور support کا کام انجام دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ تسہیل فرمائی ہے اور ہمارے لئے یہ آسانی فراہم فرمائی ہے۔ یہاں پہلی بات سے متعلق گفتگو ختم ہوئی۔ اب آیئے دوسری بات کی طرف۔

## دوسرا فریضہ — دین کو دوسروں تک پہنچانا

میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارا دوسرا فرض اور ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اسلام کو پھیلائیں۔ پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ ہم اس پر خود عمل پیرا ہوں، اس پر کاربند ہوں۔ لیکن دوسرا فرض اور دوسری ذمہ داری اسلام کو پھیلانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ذمہ داری کے لئے بھی کئی اصطلاحات ہیں، لیکن چار کو ضرور ذہن نشین کر لیں۔

(ا) تبلیغ: یعنی پہنچانا۔ پہنچائیں گے تو اسلام پھیلے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط (المائدہ: ۶۷)

"اے رسولؐ پہنچا دو جو کچھ نازل ہوا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دے دیا: **بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ اٰیَۃً** "پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت"۔ حجۃ الوداع میں آپ نے یہ فرما کر تبلیغ کی ذمہ داری تا قیامِ قیامت امت کے سپرد فرما دی کہ **فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ** "اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔"

**(۲) دعوت:** یعنی لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا** (حٰمٓ السجدۃ: ۳۳)

"اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلاتا ہو۔"

اور:

**اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ** (النحل: ۱۲۵)

"پکارو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان "کج بحثوں" سے مجادلہ کرو اس طور پر جو بہت عمدہ ہو۔

**(۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر:** یہ اصطلاح بڑی اہم ہے۔ امر بالمعروف کا مطلب ہے نیکی کا پرچار، نیکی کی تلقین، نیکی کا حکم۔ اور نہی عن المنکر ہے بدی سے، برائی سے لوگوں کو روکنا، بدی اور برائی کی اشاعت کے آڑے آنا۔ اور اگر قوت و طاقت میسر ہو تو بدی اور برائی کو بزور روکنا۔ اس کے لئے حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

**مَنْ رَاٰی مِنکم مُنکرًا فلیغیّرہ بیدہٖ فَاِن لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ و ذلک اضعف الایمان۔** (رواہ مسلم: عن ابی سعید الخدری)

"تم میں سے جو کوئی بھی کسی منکر کو دیکھے اس کا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے (یعنی طاقت سے) بدلے۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی

زبان سے (یعنی تلقین و نصیحت سے اس برائی کو روکے) ۔ اگر اس کی بھی
طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

یعنی کم از کم دل میں کڑھن تو ہو ۔ اگر یہ کڑھن بھی نہ ہو تو اس کیفیت کے لیے دوسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ

"اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں!"

یعنی تم بدی کو دیکھو، منکر کو دیکھو، اور تمہارے احساسات پر جوں بھی نہ رینگنے پائے۔ برائی کو دیکھتے ہوئے گزر جاؤ لیکن یہ صدمہ بھی نہ ہو کہ یہ کیوں ہو رہا ہے، کیوں میرے ہاتھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں اس کو روک سکوں ۔ اگر یہ کیفیت ہے تو جان لو کہ ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی دل میں موجود نہیں۔ اور یہ فتویٰ کس کا ہے ؟ یہ حقیقی مفتی اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے۔ ان کا فتویٰ کون رد کرے گا اور اگر رد کرے گا تو کیا ایمان سلامت رہ جائے گا؟

(۴) <u>شہادت علی الناس:</u> یہ چوتھی اصطلاح جامع ترین ہے۔ شہادت علی الناس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر حجت قائم کر دینا تاکہ قیامت کے دن عدالتِ خداوندی میں گواہی دے سکو اور testify کر سکو کہ پروردگار! ہم نے تیرا دین پہنچا دیا تھا۔ یہ وہ اصطلاح ہے کہ یہاں آکر تبلیغ و دعوت کا تعلق کارِ رسالت سے جا کر جڑ جائے گا ـــــ رسول کیوں بھیجے گئے! اس کو سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۱ سے سمجھئے جہاں فرمایا:

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا ۝

"اس دن کیا حال ہو گا جس دن ہم ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کریں گے اور
اے نبی آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان کے خلاف۔"

کیوں؟ اس لئے کہ رسول یہ گواہی دیں گے کہ اے رب! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اب اپنے اعمال و افعال کے یہ لوگ خود ذمہ دار ہیں ـــــ اب بتائیے کہ یہ گواہی ہمارے حق میں جائے گی یا خلاف؟ یہ گواہی خلاف جارہی ہے ۔ عدالتِ

خداوندی میں رسول دراصل استغاثہ کے گواہ ہوں گے ۔ وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! میں نے تیرا پیغام بے کم و کاست ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اب ان کی ذمہ داری تھی کہ یہ تیرا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچا کر ان پر حجت قائم کریں۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا کہ ہم نے جو تمہیں امّتِ وسط یعنی بہترین امت بنایا ہے تو یہ اسی فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی کے لئے ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (آیت ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت (بہترین امت) بنایا، تاکہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوع انسانی پر اور رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر۔"

عبادتِ رب کے بعد شہادت علی الناس کی یہ دوسری اہم ذمہ داری ہے جو امت کے سپرد کی گئی۔ اس کی نزاکت کو جان لیجئے ۔ اگر رسول بالفرض اللہ کا پیغام نہ پہنچاتے تو اللہ کے ہاں وہ مسئول اور ذمہ دار ہوتے! انہوں نے پہنچا دیا لہٰذا وہ بری ہو گئے اور باقی دنیا کو پہنچانے کی ذمہ داری امت کے حوالے کر کے تشریف لے گئے۔ اس لئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، صرف عرب کے لئے تو نہیں۔ ازروئے الفاظ قرآنی: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا) اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف) اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء)— باقی دنیا کو کون پہنچائے گا؟ اس کے متعلق میں عرض کر چکا کہ حجۃ الوداع میں آں حضورؐ نے فرما دیا کہ اب یہ کام تمہارے ذمے ہے: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَآئِبَ کہ میں نے پہنچایا تمہیں، اب تم پہنچاؤ ان کو جو یہاں نہیں ہیں۔

یہاں یہ بات مزید سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اس وقت کی دنیا والوں کا معاملہ نہیں تھا۔ اب تو دائمی رسالت محمدی کا دور ہے (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔ اب تا قیام قیامت بنی نوع انسان کے لئے شہادت علی الناس کی ذمہ داری کون ادا کرے گا؟ یہ

ذمہ داری امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ اگر امت یہ فریضہ ادا نہیں کرتی تو جان لیجئے کہ دنیا کی گمراہی کا وبال اس کے سر آئے گا۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کا امتی ہونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کریڈٹ مل جائے گا! میں آپ کو دوسرا رخ دکھا رہا ہوں۔ یہ تو اتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ اگر آپ اسے ادا نہیں کرتے تو دنیا کی ضلالت اور گمراہی کا وبال بھی آپ کے ذمہ آئے گا۔ بنی نوع انسان عدالت اخروی میں یہ عذر پیش کرنے میں بڑی حد تک حق بجانب ہوں گے کہ اے اللہ، ان کے پاس تیری آخری اور مکمل کتاب تھی، ان کے پاس تیرا دین تھا، یہ تیری شریعت کے علمبردار تھے، یہ تیرے آخری نبی اور رسول کے امتی تھے، انہوں نے اس دین کو نہ ہم تک پہنچایا اور نہ خود اس پر عمل کیا۔ یہ تیری آخری کتاب اور آخری نبی کی تعلیمات پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے رہے۔

میں آپ کی نصح و خیر خواہی کا حق ادا نہیں کر پاؤں گا اگر میں آپ کو متنبہ نہ کر دوں کہ اگر آپ کا طرز عمل یہ ہو گا تو آخرت میں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ خدا را مجھے بتایئے کہ اللہ رب العزت کی عدالت میں جب ہم سے یہ سوال ہو گا کہ تم ہمارے آخری نبی و رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تھے، تمہارے پاس ہمارا دین تھا، تم حاملِ قرآن تھے، ہم نے چینیوں اور امریکیوں کو اپنا دین نہیں دیا تھا، بلکہ اس کا وارث تم کو بنایا تھا اور یہ تمہاری ذمہ داری لگائی تھی کہ ان تک ہمارا دین پہنچاؤ۔ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روسیوں میں مبعوث نہیں کیا تھا، ان تک پہنچانا تمہارے ذمے تھا، تو ہمارے پاس کیا جواب ہو گا؟ دوسروں تک دین نہ پہنچانے کی ذمہ داری ہم پر ہو گی یا نہیں؟ تو یہ ہے دوسری ذمہ داری جسے میں نے چار اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دوسروں تک تو کیا پہنچائیں گے، آج ہم خود محتاج ہیں کہ صحیح دین ہم تک پہنچے۔ ہم تو الا ماشاء اللہ پیدائشی طور پر (By Birth) اور نام کے مسلمان ہیں کہ علامہ اقبال کے بقول:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو!
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

## تیسرا فریضہ—دین کو قائم کرنا

اب آیئے تیسری ذمہ داری کی طرف— یعنی یہ کہ دین کو قائم کیا جائے۔ ایک ہے تبلیغ و دعوت، یعنی دین کو پھیلانا، اسے دوسروں تک پہنچانا، اس کی طرف لوگوں کو بلانا۔ اور ایک ہے اسے قائم کرنا۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ اسلام اگر ایک مکمل نظامِ حیات ہے، جیسا کہ فی الواقع وہ ہے (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) تو اسے بالفعل قائم کیا جانا چاہئے۔ ہم یہ بات بڑے فخر سے کہا کرتے ہیں کہ ہمارا دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آج پاکستان میں شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ایسا ہو جو یہ بات نہ جانتا ہو اور نہ کہتا ہو۔ یہ فکر بڑا عام ہے۔ کم از کم ہمارے دروس وخطابات کے سامعین اور ہمارے لٹریچر کے قارئین میں سے تو کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو اس بات کو جانتا نہ ہو۔ تو اگر یہ دین ایک مکمل نظام حیات ہے تو اس کو قائم کرو۔ یہ صرف تبلیغ و تلقین کی خاطر، یا محض تحقیقی مقالے لکھنے اور چھاپنے کی غرض سے، یا مدح سرائی کرنے اور قصیدے کہنے کے لئے تو نہیں ہے۔ نظام بالفعل قائم ہو تو نظام ہے، ورنہ وہ نظام ہے ہی نہیں۔ پھر وہ صرف Utopia یعنی ایک خیالی دنیا اور ناقابلِ عمل نظریہ ہے۔

اس تیسری ذمہ داری کے لئے قرآن حکیم میں جو اصطلاحات ملتی ہیں وہ چار ہیں، جن میں سے دو مکی سورتوں میں وارد ہوئی ہیں اور دو مدنی سورتوں میں۔

(۱) تکبیر رب: یہ اصطلاح مکی سورتوں میں سے سورۃ المدثر میں آئی ہے، جہاں فرمایا گیا: وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ "اور اپنے رب کو بڑا کرو!" آپ شاید حیران ہوں کہ میں نے یہ کیا ترجمہ کیا ہے— تو جان لیجئے کہ تکبیر کا لفظی معنیٰ ہے کسی شے کو بڑا کرنا۔ تصغیر کا معنیٰ ہے کسی شے کو چھوٹا کرنا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب کو بڑا کرنا چہ معنی دارد؟

وہ تو بذاتہٖ بڑا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا والے اس کی بڑائی کو عملاً تسلیم نہیں کر رہے۔ چنانچہ تکبیر رب کا معنیٰ اس کی بڑائی کو منوانا، اسے تسلیم کرانا اور تشریعی معاملات میں اسی کے حکم کی تنفیذ ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — اور بقول علامہ اقبال ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!

غور کیجئے کہ اس لحاظ سے تو وہ بڑا کہاں ہے؟ بڑے تو ہم بنے بیٹھے ہیں۔ آج ہمارا طرز عمل یہ ہے کہ حکم ہمارا چلے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ کون اللہ ہے، کون نہیں! آج پوری دنیا کا یہ رویہ ہے کہ نہیں؟ ہم اذانوں میں کہہ دیتے ہیں "اللہ اکبر"۔ جلسوں اور جلوسوں میں "نعرۂ تکبیر" کے جواب میں فلک شگاف انداز میں کہہ دیتے ہیں "اللہ اکبر" — لیکن کہنے کو جتنا چاہیں کہہ لیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے، حقیقت میں اللہ کہاں بڑا ہے؟ اس کی بڑائی اور اس کی کبریائی نظامِ حیات میں تو بالفعل کہیں بھی نافذ نہیں۔ حالانکہ "تکبیرِ رب" کا اصل تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام قائم کیا جائے جس میں اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ (Absolute Sovereignty) کو تسلیم کیا جائے، مانا جائے کہ آخری اختیار اس کا ہے اور آخری فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نظام قائم کرو گے تو تکبیر رب کا تقاضا پورا ہو گا۔

دیکھئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پہلا حکم ملا: "اِقْرَأْ"۔ پہلی وحی میں تبلیغ اور دعوت کا کوئی ذکر نہیں۔ "اِقْرَأْ" دو مرتبہ آیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ
الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○

دوسری وحی سورۃ المدثر ہے۔ وہاں باقاعدہ خطاب سے بات شروع ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ! "اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے!" — خطاب کے بعد پہلا حکم ملا: "قُمْ فَاَنْذِرْ" "کھڑے ہو جاؤ" کمربستہ ہو جاؤ، مستعد ہو کر اپنا فرضِ منصبی ادا کرو! دو کام

کرو۔ یہ کہ بنی نوع انسان کو خبردار اور آگاہ کرو' نیند کے ماتوں کو جگاؤ کہ کس دھوکے میں پڑے ہوئے ہو' زندگی صرف یہ زندگی نہیں ہے۔ اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد آئے گی۔ **وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ○ (العنکبوت) کہ اے لوگو' اچھی طرح جان لو' یہ دنیا کی زندگی عارضی زندگی ہے اور بس ایک کھیل اور دل کا بہلاوا ہے' اور اصل زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے' کاش لوگوں کو سمجھ آجائے! اور یہ کہ قیامت کا دن آنے والا ہے جس دن سب کو اپنے رب کے حضور میں جواب دہی کے لئے لازماً کھڑے ہونا ہوگا۔ **اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ○ "کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن (یعنی قیامت کے روز) اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اُس دن جب پوری نوع انسانی اس کائنات کے مالک کے سامنے (جواب دہی کے لئے) کھڑی ہوگی"۔ یہ انسان اس زعم میں مبتلا نہ رہے۔ یہ دن آکر رہے گا اور یہی اصل ہار جیت کا دن ہوگا۔ **يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ** —— یہ اِنذار ہے اور یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کا نقطۂ آغاز ہے۔ لیکن جانا کدھر ہے' آخری منزل کون سی ہے؟ اس کا حکم اگلی آیت میں دے دیا گیا: **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** یعنی وہ ہے تکبیر رب! اور تیئس سال میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیرِ رب فرما دی کہ نہیں!—— جزیرہ نمائے عرب میں وہ نظام قائم فرما دیا جس میں اختیارِ اعلیٰ (Supreme Authority) اور حاکمیتِ مطلقہ کا مالک اللہ عزّوجلّ کو تسلیم کیا گیا تھا۔

خیال رہے کہ تکبیر رب کی ذمہ داری آنحضورؐ کو مرتبۂ رسالت پر مامور ہونے کے وقت ہی سونپ دی گئی تھی۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور مجھے بھی اس سے اتفاق ہے کہ پہلی وحی یعنی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے آنحضورؐ کی نبوت کا اور دوسری وحی یعنی سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا آغاز ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

**(۲) اقامتِ دین:** اسی ذمہ داری کے لئے دوسری اصطلاح اقامتِ دین ہے جو ایک دوسری مکی سورت سورۃ الشوریٰ میں وارد ہوئی۔ فرمایا گیا:

اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط (آیت ۱۳)

"دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقے میں نہ پڑو۔"

قائم کون سی چیز کو کہتے ہیں؟ اس کو جو کھڑی ہو۔ زمین پر پڑی ہوئی چیز تو قائم نہیں کہلاتی۔ کوئی چیز گر جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو قائم کرو' اسے کھڑا کرو۔ دین اگر زمین بوس ہو تو اس کا اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا ہے کہ اسے قائم کریں' اسے کھڑا کریں۔ اسی دین کے مطابق نظامِ معیشت و معاشرت استوار ہو' اسی کے مطابق نظامِ حکومت و سیاست قائم ہو۔ اگر یہ صورت ہے تو "اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کا تقاضا پورا ہو رہا ہے اور اگر نہیں تو محض تلاوت اور مدح سرائی کے لئے تو دین نہیں اتارا گیا ـــــ دیکھئے سورۃ المائدہ میں فرمایا:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۶۸)

"(اے نبیؐ صاف صاف) کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔"

یہاں وہی لفظ اقامت (قائم کرنا) ہے۔ اب اس آیت میں بغرضِ تفہیم **یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ** کی جگہ **یٰٓاَھْلَ الْقُرْاٰنِ** اور "تورات و انجیل" کی جگہ "قرآن" رکھ دیجئے تو بات یوں ہوگی: **یٰٓاَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا الْقُرْاٰنَ**۔ کہ اے اہلِ قرآن' اے حاملانِ کتاب اللہ! تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک تم قرآن کو قائم نہ کرو۔ قرآن حکیم اگر واقعی ضابطۂ حیات ہے' جیسا کہ فی الواقع وہ ہے' تو اس کو نافذ کیا جانا چاہئے۔ قرآن نے اگر کوئی نظام دیا ہے' اور واقعی دیا ہے' تو وہ نظام قائم ہونا چاہئے۔ یہ مختصر شرح ہوئی "اقامتِ دین" کی جو مکی دور کی دوسری اصطلاح

(۳) یکون الدّین کلّہٗ للہ: یہ تیسری اصطلاح مدنی دور کی ہے اور یہ دو سورتوں (سورۃ البقرہ اور الانفال) میں آئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (آیت ۱۹۳)

"اور جنگ کرو ان (مشرکین) سے' یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے!"

سورۃ الانفال میں بات اور آگے بڑھی۔ وہاں فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (آیت ۳۹)

"(مسلمانو!) تم ان سے جنگ جاری رکھو جب تک فتنہ فرو نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔"

یہ نہ ہو کہ دین کو اجزاء میں تقسیم کر لیا جائے ـــــ مسجد میں نماز پڑھ لیں' روزے بھی رکھ لیں' چلئے زکوٰۃ بھی ادا کر لیں اور حج و عمرہ تو اہلِ ثروت خوب کرنے کے لئے تیار ہیں ـــــ لیکن ملک میں نظامِ حکومت کے ڈھانچے میں دین کو کوئی دخل نہ ہو' مالی معاملات ہم شریعت کے تحت لانے کے لئے عذرات کا انبار لگا دیں' حدود و تعزیراتِ اسلامی کے نفاذ کا فیصلہ کر بھی لیں تو اس پر عمل در آمد کے لئے عملاً کوئی پیش رفت نہ ہو۔ ستر و حجاب کے احکام کے بارے میں ہماری سوچ یہ ہو کہ یہ زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے' لہٰذا ان کے نفاذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' بلکہ اس معاملے میں دین کے احکام کی پوری ڈھٹائی سے خلاف ورزی میں ہمارے قدم آگے بڑھتے چلے جائیں اور مرد و زن کی مساوات اور زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبے میں دونوں کو شانہ بشانہ مواقع فراہم کرنا ہمارا نعرہ (Slogan) بن جائے۔ عورت کے تقدس کو ہم برسرِ بازار نیلام کریں اور اسے اشتہار و تشہیر کی جنس بنا کر رکھ دیں۔ ہمارا حال تو اتنا پتلا ہے کہ صدر ایوب کے دور میں جو عائلی قوانین بذریعہ آرڈی نینس جاری ہوئے تھے اور پاکستان میں موجود تمام فرقوں کے علماء نے متفقہ طور پر ان کی اکثر دفعات کو خلافِ اسلام قرار دیا تھا' ان کو قانونی طور پر شریعت کورٹ میں زیرِ بحث نہیں لایا

جاسکتا۔ اس لئے کہ معلوم ہے کہ شریعت کورٹ خلافِ شریعت دفعات کو گوارا نہیں کرے گی اور اس طرح مغرب زدہ اور اباحیت پسند خواتین و حضرات کے ایک چھوٹے لیکن بااثر طبقے کی ناراضگی کا اندیشہ ہے، اور اس طبقے کو مطمئن رکھنا ضروری ہے— گویا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے زیادہ خوف ہمیں اس مغرب زدہ اور اباحیت پسند طبقے کا ہے۔ اس کا مطلب یہی تو ہے کہ ہم نے دین کے حصے بخرے کر دیئے ہیں۔ ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ "شریعت کورٹ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا لیکن طے کر دیا گیا کہ فلاں فلاں امور اس کورٹ کے دائرے سے باہر ہیں، حتیٰ کہ عائلی قوانین بھی اس کی حدودِ کار میں نہیں آتے۔ حالانکہ عائلی قوانین وہ ہیں، جن پر قرآن حکیم نے سب سے زیادہ تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور یہ بحث ایک دو نہیں، متعدد سورتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے یہ عائلی قوانین وہ تھے جن کو انگریز تک نے نہیں چھیڑا تھا۔ انگریز نے ہمارے Personal Law کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد اسلام کے عائلی قوانین میں کتر بیونت کی گئی۔ ایک مارشل لاء آیا تو یہ مسخ شدہ غیر اسلامی قوانین نافذ ہوئے اور دوسرا مارشل لاء آیا تو اس نے ان کو تحفظ دیا۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو کام غیروں نے ہمارے دورِ غلامی میں نہیں کیا، وہ اپنوں نے آزادی ملنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے کیا۔

تو تیسری اصطلاح ہمارے سامنے سورۃ البقرۃ اور سورۃ الانفال کی دو آیات کے حوالے سے یہ سامنے آئی کہ دین کُل کا کُل اللہ کے لئے ہو۔ جیسا کہ میں نے عبادت کے ضمن میں عرض کیا تھا کہ عبادت وہی ہوگی جو پوری زندگی پر محیط ہو، اسی طرح "اقامتِ دین" کے بارے میں نوٹ کر لیجئے کہ یہ اقامت پورے اور مکمل دین کی ہوگی۔ یہ نہیں کہ ایک حصہ ہمیں پسند نہیں، وہ مشکل ہے، لہٰذا وہ قائم نہ کریں، اور جو حصہ ہمیں پسند ہے اور آسان ہے وہ قائم کر دیں۔ یہ تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ اپنے من کی چاہت ہوگئی۔

(۴) غلبۂ دینِ حق: اس سلسلے کی چوتھی اور عظیم ترین اصطلاح وہ ہے جو سورۃ الصف کے درس کے دوران ہمارے سامنے آئی اور جو سورۃ الصف کی مرکزی آیت ہے۔ یعنی "وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو الھدیٰ اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ غالب کردے اس کو تمام جنسِ دین (یا تمام نظام ہائے اطاعت) پر:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

یہ الفاظ ایک شوشے کے فرق کے بغیر سورۃ الصف کے علاوہ سورۃ التوبہ میں اور سورۃ الفتح میں بھی آئے ہیں۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں آخری ٹکڑا آیا: وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ اور سورۃ الفتح میں: وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ اس طرح "اظہارُ دینِ الحقِ علی الدّین کلّہٖ" کی یہ اصطلاح سامنے آئی۔

آپ نے دیکھا کہ اصطلاحات ثقیل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اصل بات کو سادہ ترین الفاظ میں آپ کے سامنے رکھا۔ ان کا پھر اعادہ کر رہا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ دین پر خود عمل پیرا ہو اور کاربند ہو۔ دوسری یہ کہ دین کو پھیلاؤ۔ اور تیسری بات یہ کہ دین کو قائم کرو۔ یہ ہیں تین فرائض جو ہم پر دین کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بمنزلہ بنیاد ہے کلمۂ شہادت' اور اس کے چار ستون ہیں' نماز' زکوٰۃ' حج اور روزہ ـــــ ان چار ستونوں پر یہ تین منزلہ عمارت کھڑی ہے۔ اہم ترین دینی اصطلاحات کے حوالے سے ان تین منزلوں کو (۱) عبادتِ رب (۲) شہادت علی الناس اور (۳) اقامتِ دین کا نام دیا جائے گا۔ اگر آپ کے ذہن میں دینی فرائض کا یہ تصور موجود ہے تو بنیادی خاکہ مکمل ہوگیا' اور اگر یہ نہیں ہے اور ذہن میں صرف نماز' زکوٰۃ' حج اور روزہ ہی ہیں تو پھر ستون ہی ستون ہیں' چھت تو آپ کے سامنے ہے ہی نہیں۔ بغیر چھت کے جو ستون ہوتے ہیں وہ تو بطور یادگار کھڑے رہ جاتے ہیں' ان کا مصرف تو کوئی نہیں ہوتا۔ وہ آثارِ قدیمہ ہوسکتے ہیں' اور تو کوئی مقصد پورا نہیں کرتے ـــ چنانچہ فرائضِ دینی کی عمارت کا خاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ارکانِ اسلام یعنی کلمۂ شہادت' نماز' زکوٰۃ' حج اور روزہ پر اسلام'

اطاعت اور عبادتِ رب کی پہلی منزل استوار ہوتی ہے۔ تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس اسکی دوسری منزل ہے، جبکہ تکبیر رب، اقامتِ دین، کُل کا کُل دین اللہ ہی کے لئے ہو اور اظہار دین الحق یعنی اس دینِ حق کو غالب کر دیا جائے، یہ تیسری منزل ہے۔ یہ خاکہ اپنے ذہن میں رکھئے تو آپ کے سامنے صحیح تصور آئے گا کہ ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہمارے دینی فرائض کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے ایک بندۂ مومن سے مطالبات کیا ہیں؟

## فرائض دینی کے تین لوازم

### پہلا لازمہ ـــــ جہاد

اب آیئے ان تین امور کی طرف جن کی حیثیت ان فرائض کے لوازم یعنی لازمی تقاضوں کی ہے۔ ان میں سے پہلے لازمی تقاضے کو سادہ الفاظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہوگا کوشش اور کشاکش ـــ غور کیجئے کہ کوشش اور محنت کئے بغیر یہ منزلیں سر ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ محض کوشش اور محنت سے بھی کام نہیں بنتا، اس لئے کہ یہاں خلا تو ہے نہیں، آپ اگر اپنے نظریات کے مطابق کوشش کر رہے ہیں تو اور لوگ بھی تو ہیں جو اپنے نظریات کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا کوشش، کوشش سے ٹکرائے گی۔ جب کوششیں باہم ٹکراتی ہیں تو اس کا نام ہوتا ہے کشاکش، جسے عام طور پر کشمکش بھی کہا جاتا ہے۔ اس کشاکش یا کشمکش کے لئے دینی اصطلاح "جہاد" ہے۔ یہ جہاد وہ پہلا لازمی عمل ہے کہ اگر یہ ہوگا تو دین کے وہ تین بنیادی تقاضے پورے ہوں گے جو ہمارے سامنے آئے، ورنہ نہیں۔ اب اس لفظ جہاد کو ان تین بنیادی تقاضوں کے حوالے سے بھی سمجھ لیجئے۔

(ا) جہاد مع النفس: فرائضِ دینی کی پہلی سطح یعنی اسلام، اطاعت، تقویٰ اور عبادت کی سطح پر جہاد کس سے ہوگا؟ اپنے نفس سے ـــــ اپنے نفس کو اللہ کا مطیع

بنانے کے لئے کشاکش کرنی ہوگی' کیونکہ نفس تو کسی اور طرف زور لگاتا رہتا ہے' از روئے الفاظ قرآنی: **اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ**۔ وہ حرام کی طرف بڑھنا چاہتا ہے' آپ کو اسے روکنا ہوگا۔ اس کے اندر خواہشات کا سرکش گھوڑا ہے' آپ کو اسے لگام دینی ہوگی۔ صبح ہوگئی ہے' اذان سن لی ہے' اللہ کی پکار آگئی ہے' نفس کہتا ہے کہ سوتے رہو۔ اس سے کشمکش کریں گے اور اسے زیر کریں گے تو نماز کے لئے کھڑے ہوسکیں گے' ورنہ نہیں۔ اگر اس وقت ذرا سی کروٹ لی اور چادر اوپر سرکالی کہ ابھی اٹھتے ہیں تو پھر اٹھنا محال ہے۔ یہی کشمکش و کشاکش دراصل جہاد کی پہلی اور اہم ترین سطح ہے۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نفسَہٗ** (رواہ الترمذی)۔ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ سے سوال کیا گیا: **اَیُّ الجِھادِ افضلُ یا رَسولَ اللّٰہ؟** "اے اللہ کے رسول بہترین جہاد کونسا ہے؟" آنحضورؐ نے فرمایا: **اَنْ تُجاھِدَ نفسَکَ فِی طاعۃِ اللّٰہ** "یہ کہ تو اپنے نفس کو اللہ کا مطیع بنانے کے لئے اس سے جہاد کرے!" ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **جَاھِدُوا اَھْوَاءَکم کما تُجاھِدُونَ اَعداءَکُمْ**۔ "اپنی خواہشاتِ نفس سے بھی اسی طرح جہاد کیا کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو!" ایک موقع پر آں حضورؐ نے روز مرہ کے معمولات کو اللہ کے احکام کے تابع رکھنے کو "جہادِ اکبر" قرار دیا' اور یہ موقع سفرِ تبوک سے واپسی کا تھا جس سے زیادہ طویل اور سخت سفر شدید گرمی کے موسم میں کوئی اور نہیں ہوا تھا۔ اس سفر سے مدینہ منورہ مراجعت ہو رہی تھی تو اس موقع پر فرمایا: **رَجعتُم مِنَ الْجِھادِ الاَصغرِ اِلَی الْجِھادِ الْاَکبر** یعنی لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اَعداء سے مقابلہ اور کشاکش ہی جہاد ہے' بلکہ یہ جو ہمارے اندر بیٹھا ہوا دشمن "ہمارا نفس" ہے' اہم ترین کشاکش اس سے کرنی پڑتی ہے۔ اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاد کی پہلی سطح اور اس کا پہلا مرحلہ "جہاد مع النفس" ہے' یعنی اپنے نفس کے ساتھ کشاکش اور پنجہ آزمائی!

**(۲) جہاد بالقرآن:** دینی فرائض کے دوسرے مرحلے یعنی تبلیغ، دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کی سطح پر جہاد کی صورت کیا ہوگی؟ دیکھئے، آپ اگر دین کی تبلیغ کر رہے ہیں، اس کی دعوت دے رہے ہیں تو الحاد، دہریت، مادہ پرستی، فسطائیت، اشتراکیت اور دوسرے ادیان و مذاہبِ باطلہ کے مبلغین بھی تو آپ کے اسی معاشرے میں موجود ہیں۔ آپ اسلام کے قائل ہیں تو کفر کی طاقتیں بھی یہیں موجود ہیں۔ اس سطح پر ان سے کشمکش و کشاکش ہوگی۔ البتہ یہ کشاکش نظریاتی سطح پر ہوگی، خیالات کی سطح پر، فلسفہ و فکر کی سطح پر — اس کشاکش میں مال اور جسم و جان کی توانائیاں کھپانی پڑیں گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب توحید کی دعوت دے رہے تھے تو آپؐ کے مقابل ابو جہل اور اس کے ساتھی شرک اور بت پرستی کے علمبردار بن کر کھڑے تھے۔ چنانچہ باہم کشاکش ہوئی کہ نہیں؟ پس تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کے فرائض کی ادائیگی کے لئے جب آپ محنت، کوشش اور جدوجہد کریں گے تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ کو دیکھتے ہی کفر اور الحاد میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ نہیں، بلکہ آپ کو کشمکش و کشاکش سے سابقہ پیش آکر رہے گا۔ اب یہ مرحلہ مشکل تر ہوگیا۔ پہلے تو اپنے باطن میں کشاکش والا معاملہ تھا، جہاد مع النفس تھا، اب دعوت و تبلیغ کے لئے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے اور شہادت علی الناس کے لئے آپ کو جہاد کرنا ہوگا، کشمکش کرنی پڑے گی، باطل کے ساتھ، الحاد کے ساتھ، اباحیت کے ساتھ اور تمام باطل نظریات کے ساتھ۔ اس جہاد اور کشاکش میں تلوار کونسی چلے گی؟ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں رہنمائی فرمائی: **وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا** (آیت ۵۲) کہ اے نبی! ان کفار سے جہاد کیجئے اس قرآن کے ساتھ، زبردست جہاد! یہاں "بِہٖ" کی ضمیر مجرور قرآن کی طرف جا رہی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے ہاتھ میں قرآن دیا ہے، یہ وہ تلوار ہے جو ہر باطل کو کاٹ پھینکنے والی ہے۔ ایک تلوار لوہے کی ہوتی ہے، اس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ قرآن بھی

ایک تلوار ہے۔ علامہ اقبال نے اس کو بڑے پیارے انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفس اور شیطان کے ساتھ کشمکش کرنے کے لئے بھی یہی قرآن کی تلوار کام دے گی۔ ؎

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

چنانچہ نفسِ امارہ کو بھی مارو گے تو قرآن کی تلوار سے مارو گے، ویسے یہ نہیں مرے گا۔ اور شیطان سے لڑنے کے لئے بھی یہی تلوار کام آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں قرآن مجید کی صورت میں دی ہے اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جسے ہم نے "کتابِ مقدّس" بنا کر طاقوں میں رکھ چھوڑا ہے۔ تو یہ جہاد کی دوسری سطح ہوئی۔ یعنی فکری و نظریاتی سطح پر کشاکش اور تصادم۔ حق کا بول بالا کرنا، یعنی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لئے جان و مال سے سعی و جہد کرنا۔ اس کے لئے زبان بھی استعمال ہوگی اور قلم بھی۔ اس میں تمام ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کے تمام وسائل استعمال ہوں گے اور ان سب کے ذریعے قرآن مجید کی دعوت اور اس کے پیغام کو پھیلایا جائے گا۔

(۳) قتال فی سبیل اللہ: تیسری سطح یعنی اللہ کے دین کو بالفعل قائم و نافذ کرنے کے مرحلے پر یہ جہاد بھی اپنی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور یہ جہاد کا تیسرا اور بلند ترین مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں باطل کے علمبرداروں کے ساتھ کشاکش اور تصادم ہوگا۔ دعوت و تبلیغ کے مرحلے میں کشاکش اور تصادم باطل نظریات کے ساتھ تھا۔ لیکن جب دین کو قائم کرنے کا مرحلہ آئے گا تو یہ کشاکش اور تصادم محض باطل نظریات سے نہیں بلکہ باطل کے علمبرداروں اور باطل کی قوتوں کے ساتھ ہوگا۔ اس

لئے کہ وہ اس راستے میں مزاحم ہوں گے۔ کیا وہ کہیں گے کہ ٹھیک ہے ہم ہٹ جاتے ہیں' آپ آیئے اور اپنا دین قائم و نافذ کر دیجئے! ایں خیال است و محال است و جنوں— ہر نظامِ باطل کے ساتھ مراعات یافتہ طبقات (Privileged Classes) کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ ایسے طبقات کے ہاتھوں میں ملک کے معاملات کی زمام کار ہوتی ہے۔ تو کیا ایسے تمام طبقات کبھی یہ گوارا کریں گے کہ آپ وہ رائج نظام جس سے ان کے مفادات وابستہ ہیں' ہٹا کر دین کا نظام بالکلیہ قائم کر دیں؟ اس بات کو یہ ٹھنڈے پیٹوں ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان کے ساتھ لازماً پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی۔ اس پنجہ آزمائی کی بھی مختلف سطحیں ہیں۔ پہلی سطح Passive Resistance یعنی صبر و مصابرت اور استقامت کی ہے۔ دوسری سطح Active Resistance یعنی اقدام کی ہے' جبکہ تیسری سطح Armed Conflict یعنی مسلح تصادم کی ہے۔ اہلِ حق اگر کمزور ہوں تو جب تک طاقت حاصل نہ ہو جائے انہیں صبرِ محض کی روش پر عمل کرنا ہوگا۔ وہ مار کھائیں گے لیکن ہاتھ نہیں اٹھائیں گے' کیونکہ حکمت اسی میں ہے۔ مکہ مکرمہ میں اسی حکمت پر عمل ہوا۔ وہاں اہل ایمان کو یہی حکم تھا کہ مصائب جھیلو' ظلم و تعدی برداشت کرو' لیکن ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ یہ ہے صبر و مصابرت' یعنی Passive Resistance ___ لیکن جب طاقت حاصل ہو جائے تو پھر انہیں اجازت ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ چنانچہ وہی مسلمان جو مکہ میں ہاتھ نہیں اٹھا رہے تھے' مدینہ میں ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ انہیں اذنِ قتال دے دیا گیا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○
(الحج:۳۹)

"اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف (کفار کی طرف سے) جنگ کی جا رہی ہے' کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔"

تو جان لیجئے کہ اس کشمکش کا آخری مرحلہ مسلح تصادم (Armed Conflict) ہے' یعنی

قتال فی سبیل اللہ ۔ اور یہ جہاد کی چوٹی ہے۔ سورۃ الصف میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ یہ چوٹی جو ہے یہ محبوبیت کی جگہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ○ (آیت ۴)

"بلا شبہ اللہ کو تو اپنے وہ بندے محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس طرح صفیں باندھ کر گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اس موقع پر میں صحیح مسلم کی ایک حدیث شریف کا حوالہ دے رہا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَن ماتَ ولم یغزُ' ولم یُحدث بہ نفسہ' مات علی شُعبۃٍ من النِّفاق

"جو شخص اس حال میں مرگیا کہ نہ اس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنا پیدا ہوئی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا"۔

چنانچہ دل میں یہ تمنا ضرور رکھنی چاہئے۔ اگر دل میں فی الواقع ایمان موجود ہے تو یہ آرزو ضرور رہے کہ کوئی وقت آئے کہ خالصۃً اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے ہم اللہ کی راہ میں اپنی گردنیں کٹا کر سرخرو ہو جائیں۔ اگر اس تمنا سے سینہ خالی ہے تو اس سینے میں نفاق ہے۔ میں پھر عرض کر دوں کہ یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے۔

## دوسرا لازمہ ـــــ التزامِ جماعت

فرائضِ دینی کے ضمن میں دوسرا لازمی تقاضا التزامِ جماعت ہے۔ کوئی شخص ایسا ہے جو بقائمی ہوش و حواس یہ کہہ سکے کہ یہ کام انفرادی طور پر ہو سکتے ہیں؟ کوئی ایک بھی سلیم العقل شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ رائے رکھتا ہو کہ ان کاموں کے لئے جماعت ضروری نہیں۔ اگر یہ امور یعنی عبادتِ رب' اطاعتِ رب' شہادت علی

الناس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامتِ دین اور اظہار دین الحق علی الدین کلہ فرائضِ دینی ہیں تو ان کے لوازم کا شمار بھی فرائض میں ہوگا، کیونکہ جو شے فرض کی ادائیگی کے لئے لازمی ہو وہ بھی فرض ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے لئے وضو شرط ہے تو وضو بھی فرض ہے کہ نہیں؟ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لئے احرام شرط ہے تو احرام بھی فرض ہوا کہ نہیں؟ لہٰذا التزام جماعت بھی لازم و واجب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، جسے حضرت حارث الاشعریؓ نے روایت کیا ہے:

**اٰمُرُکُم بِخَمْسٍ: بِالْجَمَاعَۃِ وَ السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَ الْجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ** (رواہ احمد والترمذی)

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: التزامِ جماعت کا، (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا!"

ہجرت کیا ہے؟ یہ کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دینا جو اللہ کو پسند نہ ہو ـــــ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: **اَیّ الھجرۃِ افضلُ یا رسولَ اللّٰہ؟** تو آپؐ نے جواب دیا: **اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ** (رواہ النسائی، عن عبداللہ بن عمرو) ـــــ یہاں تک کہ وقت آئے اور گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑے تو اس کے لئے بھی انسان ہر دم آمادہ رہے۔ اور یہ ہجرت کی چوٹی ہے۔ جیسے جہاد کی چوٹی قتال فی سبیل اللہ ہے اسی طرح ہجرت کی چوٹی اللہ کے دین کے لئے ترکِ وطن ہے۔ رہا جہاد فی سبیل اللہ تو اس کا آغاز مجاہدہ مع النفس سے ہوتا ہے اور اس کی چوٹی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال ہے۔ اور سب سے پہلی چیز جس کا اس حدیث میں حکم دیا گیا وہ التزام جماعت ہے۔ یہ ہے التزام جماعت کی فرضیت۔

اب یہ آپ حضرات کے سوچنے کی بات ہے کہ آپ کسی ایسی جماعت میں شامل ہیں یا نہیں جو اقامتِ دین کے لئے، دین کو قائم کرنے کے لئے، دین کو برپا کرنے کے لئے اور دین کو شہادت علی الناس کی سطح پر دنیا میں پھیلانے کے لئے قائم کی گئی ہو! باقی اگر آپ نے رفاہ عامہ، خدمتِ خلق، اشاعتِ تعلیم یا اپنے پیشہ ورانہ

مفادات کے تحفظات کے لئے کوئی انجمن' کوئی ادارہ یا کوئی ایسوسی ایشن بنائی ہوئی ہو تو اس پر "جماعت" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس حدیث کی رو سے تو وہ جماعت درکار ہے جس کا مقصدِ وحید اللہ کے دین کا غلبہ ہو۔ بقول علامہ اقبال ۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے' جام رہے

اور ۔

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں' میں اسی لئے نمازی

اور اس جماعت کا جو نظام ہو وہ ٹھیٹھ اسلامی اصول "سمع و طاعت" پر ہو' جس کا حکم بھی مذکورہ بالا حدیث میں "بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃ" کے الفاظ میں آیا ہے۔ اگر آپ ایسی کسی جماعت میں شامل نہیں ہیں تو دین کے یہ تقاضے گویا آپ کے سامنے ہی نہیں ہیں۔

## تیسرا لازمہ — بیعت

دینی فرائض کے لوازم میں سے تیسری چیز یہ ہے کہ اس جماعت کا جو نظام قائم ہو وہ بیعت پر مبنی ہو ۔ یہ وہ واحد نظام ہے جو ہمیں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے سے ملتا ہے ۔ کتاب و سنت میں مجھے اس کے سوا کوئی دوسرا نظام نہیں ملا اور نہ کوئی مجھے آج تک بتا سکا۔ اب یہ بات سمجھئے کہ یہ بیعت ہے کیا! ایک شخص سے ان فرائض کی ادائیگی کے ارادے سے شخصی تعلق قائم کرنا' اس کے ہاتھ پر ان فرائض کی انجام دہی کے لئے قول و قرار کرنا بیعت ہے۔ میں نے شروع ہی میں لفظ "مرید" کی وضاحت کر دی تھی کہ مرید وہ ہے جو ارادہ کرے۔ یعنی ایسا فرد جو اپنی اصلاح کے ارادے سے کسی کے ہاتھ پر قول و قرار کے لئے بیعت کرلے۔ چنانچہ شخصی اصلاح اور تزکیۂ نفس کے لئے بیعت کی جاتی ہے۔ اور یہ بیعت اسلام'

عبادت، تقویٰ اور عبادت کے تقاضوں اور مطالبوں پر پورا اترنے کے لئے کسی مرد صالح کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ یہ بیعت "بیعتِ توبہ" یا "بیعتِ ارشاد و تزکیہ" کہلاتی ہے۔ اور جب اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت، دین کی نشر و اشاعت، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین جیسے عظیم فرائض کی ادائیگی اور اس کے لئے سمع و طاعت پر مبنی جماعت کے قیام اور ہجرت و جہاد کا مرحلہ درپیش ہو تو اس کے لئے بھی ایسے شخص کے ہاتھ پر جو اس کام کا عزم لے کر اٹھا ہو، شخصی بیعت ہوگی اور یہ بیعت "بیعتِ جہاد" کہلائے گی۔

ماضی قریب میں برعظیم پاک و ہند میں برپا ہونے والی سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ کی عظیم تحریک "تحریکِ شہیدین" کے نام سے موسوم ہوئی، اس لئے کہ اس میں دوسری اہم شخصیت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی شامل تھی۔ ورنہ نہ معلوم کتنے ہزاروں مسلمان اس میں شہید ہوئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس تحریک کے نتیجے میں اس برعظیم پاک و ہند میں خالصۃً للہ جہاد و قتال ہوا۔ اس میں سید احمد شہید بریلویؒ نے پہلے بیعتِ ارشاد لی اور پھر بیعتِ جہاد ــــ اور اس بیعتِ جہاد کی وہ آخری منزل بھی آئی کہ سیف بدست میدانِ جنگ میں قتال کیا اور سکھوں کی فوج کے ہاتھوں گردن کٹوا کر بارگاہ رب العزت میں سرخرو ہوگئے۔ **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ** ○ (البقرہ: ۱۵۴)۔ اس تحریک کا نظم شخصی بیعت پر قائم ہوا تھا، لیکن آج یہ لفظ گالی بن گیا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے ہاں تو لفظ مرید بھی بد نام ہوگیا۔ اور پھر اللہ جانے ہم نے دین کی کتنی عظیم اصطلاحات کو بدنام کر چھوڑا ہے۔ لیکن اس وجہ سے ہم دین کی کسی بھی اصطلاح کو ان شاء اللہ ترک نہیں کریں گے بلکہ ان میں اصل

روح پھونکنے کی ہر امکانی کوشش کریں گے۔

اب ذرا مزید توجّہ کیجئے۔ ایک اہم بات عرض کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ آپ میں سے اکثر حضرات کو معلوم ہو گا کہ ہمارے ہاں دینی حلقوں میں یہ تصور عام رہا اور آج بھی ہے کہ اگر کسی کی بیعت کا حلقہ تمہاری گردن میں نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ دین کا صحیح تقاضا پورا نہیں ہو رہا۔ میں کہتا ہوں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ:

"اگر بیعتِ جہاد کے لئے آپ کسی کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں تو دین کے وہ تقاضے اور فرائض، جو میں نے قرآن مجید اور احادیث شریف سے آپ کے سامنے قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں، وہ پورے نہیں ہوسکتے۔"

البتہ یہ ضرور ہے کہ اب چونکہ کوئی نبی نہیں، کوئی معصوم نہیں، لہٰذا آپ کو خود تلاش کرنا پڑے گا کہ ہے کوئی اللہ کا بندہ جو مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کی صدا لگا رہا ہو اور ان فرائض کی انجام دہی کے لئے کوشاں ہو اور آگے بڑھ رہا ہو! اور اگر آپ کا دل اس پر مطمئن ہو جائے، اس کے فہم اور اس کے خلوص و اخلاص پر آپ کو اعتماد پیدا ہو تو اس کے ساتھ وابستہ اور منسلک ہو جایئے!---- میں کہا کرتا ہوں کہ اس طرح اگر ہزار قافلے بھی بن جائیں تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ منزل ایک ہو۔ اگر دینی فرائض کا تصور صحیح ہو، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ بیک وقت کئی قافلے اس تصور کو لے کر رواں دواں ہو جائیں۔ منزل تو سب کی ایک ہی ہوگی۔ میرے نزدیک سب کا ایک ہونا اب لازم نہیں ہے۔ سب کا ایک ہونا صرف رسول کے ساتھ ہونا لازم ہوتا ہے۔ میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ ایامِ حج میں جب منیٰ سے وقوفِ عرفات کے لئے سفر ہوتا ہے، تو بیک وقت ہزاروں قافلے چلتے ہیں، جن میں سے ہر ایک کا جھنڈا الگ ہوتا ہے۔ لیکن سب کا رخ کس طرف ہے؟ عرفات کی طرف! منزل تو سب کی ایک ہی ہے۔ چنانچہ اگر ہزاروں قافلے بھی ہوگئے تو کوئی حرج نہیں۔ تاکہ اگر کوئی شریکِ

سفر یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے قافلے والوں میں فرائضِ دینی کا صحیح اور مکمل تصور ہی مفقود ہے' یا یہ کہ جو راستہ اختیار کیا جا رہا ہے اس کا رخ منزل کی طرف صحیح طور پر نہیں ہے' بلکہ شاہراہ کو چھوڑ کر کوئی Short Cut اختیار کر لیا گیا ہے' جس کی بدولت منزل مقصود تک جلد پہنچنے کے بجائے یہ قافلہ اس شارٹ کٹ کی بھول بھلیوں اور راستے کے جھاڑ جھنکاڑ میں ایسا الجھ کر رہ گیا ہے کہ منزل کو جانے والی اصل شاہراہ سے تعلق ہی منقطع ہو گیا ہے' یا کسی قائد پر دل نہیں ٹھک رہا ہے کہ یہ صحیح شخص نہیں ہے' یا مخلص نہیں ہے' محض دوکاندار ہے تو ایسی صورت میں وہ کسی اور کو تلاش کرے ـــــ یا پھر خود کھڑے ہو کر پکارے کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ' خود قافلہ بنانے کی سعی کرے۔ یہاں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے' تمام حقوق کسی کے نام محفوظ نہیں ہیں کہ کوئی دوسرا قافلہ نہیں بنا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔اگر نیت صاف ہو' دل میں خلوص ہو' دوسروں سے الجھنے سے اجتناب ہو' سامنے منزل اقامتِ دین کی ہو تو خواہ سینکڑوں قافلے ہوں یا ہزاروں' کوئی مضائقہ نہیں۔ خلوص و اخلاص ہو گا تو وقت آنے پر وہ جڑتے چلے جائیں گے۔ (They will clamp together) ـــــ اور اگر چلنا ہی نہیں ہے تو تم بھی کھڑے ہو' ہم بھی کھڑے ہیں ع زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ یہ ہے طرز عمل جو ہمارا آج ہے۔ اور بعض لوگوں کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ نہ چلیں گے نہ چلنے دیں گے' نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے۔ تو ہر طرز عمل آپ کو مل جائے گا۔ لیکن جسے بھی چلنا ہے اور اس کی چلنے کی نیت ہے تو وہ کوئی قافلہ تلاش کرے اور جس پر بھی دل مطمئن ہو جائے' اس میں شامل ہو جائے۔ اس کے بعد آنکھیں کھلی رکھے' کان کھلے رکھے' دائیں بائیں دیکھتا رہے' اس سے بہتر قافلہ ملے تو اس کی طرف لبیک کہے۔ آخر دنیوی معاملات میں بھی ہمارا طرز عمل یہی ہوتا ہے نا کہ ع "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!" ـــــ یہ تو نہیں ہوتا کہ آپ کہیں کہ اب میں بساط خانے کی دکان (جنرل سٹور) شروع کر چکا ہوں' کیا کروں؟ اس میں تو منافع نہیں ہے' ہے تو

بہت قلیل' اصل میں مجھے فلاں کاروبار کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ آپ بساط خانے کے کام کی بساط لپیٹیں گے اور کوئی دوسرا کام شروع کر دیں گے۔ یہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

## حرفِ آخر

حضرات! یہ چھ باتیں میں نے آپ کے سامنے رکھ دیں۔ ان سے ہمارے سامنے اپنے دینی فرائض کا ایک صحیح اور جامع خاکہ آگیا ہے' اس کے علاوہ باقی تو ساری تفاصیل ہیں۔ اگر خاکہ نامکمل رہے گا تو آپ کا فرائضِ دینی کا تصور نامکمل رہے گا' لہٰذا ایک مکمل اور جامع خاکہ سامنے ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد اصل ضرورت قدم بڑھانے کی ہے۔ اگر آپ نے منزل مقصود کے تعین کے ساتھ سفر کا آغاز کر دیا تو اگر منزل تک نہ بھی پہنچ سکے تب بھی آپ کامیاب ہیں۔ ہمارے دین کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوگا۔ جو شخص گھر سے ہجرت کی نیت سے مدینہ کے لئے نکلا تو خواہ وہ مدینہ پہنچ سکا یا نہیں پہنچ سکا' وہ مہاجر ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا کہ جو شخص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکل آیا اور راستہ ہی میں اسے موت آگئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگیا:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (آیت نمبر ۱۰۰)

لہٰذا جو آغاز کر دے اس کا اجر محفوظ ہے۔ رہا یہ سوال کہ کہاں تک پہنچ پائیں گے' اس کا کوئی پتہ نہیں۔ شہیدینؒ کی تحریک اگرچہ دنیوی اعتبار سے ناکام ہوگئی اور وہ خاک و خون میں لوٹ گئے' لیکن وہ اللہ کے ہاں فلاح پائیں گے۔ اگر دنیوی لحاظ سے بھی یہ تحریک کامیاب ہوگئی ہوتی تو پورا برعظیم پاک و ہند دار الاسلام بن سکتا تھا۔ ورنہ یہ علاقہ جو پاکستان کہلاتا ہے ضرور دارالاسلام بن جاتا۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ اس تحریک کی ناکامی میں اصل ہاتھ کن لوگوں کا تھا؟ سکھوں کی تلواریں اسے ختم نہیں کر سکتی تھیں۔ خود اپنوں کی غداری نے اسے ختم کیا تھا۔

ایک بندۂ مومن کا اصل نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور محاسبۂ اخروی میں کامیابی ہے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم اور سنتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام سے ہمیں ہمارے دینی فرائض کا ایک مکمل خاکہ ملتا ہے، جو تین جامع ترین دینی اصطلاحات عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے حوالے سے ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اس کے لوازم بھی تفصیل سے بیان ہوگئے ہیں جن میں اہم ترین لوازم، جہاد فی سبیل اللہ، التزامِ جماعت اور بیعتِ سمع و طاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان دینی فرائض کی بجا آوری کا مصمم ارادہ دلوں میں پیدا کریں اور پھر اس ارادے کی تکمیل کے لئے پیش قدمی کریں۔

**وما توفیقی اِلّا باللّٰہ العظیم**

**اقول قولی ھٰذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات**

**وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین ○○**

محدث کبیر قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے علمی و عملی کمالات اور سیرت و سوانح پر مشتمل عظیم تاریخی دستاویز

ماہنامہ **الحق** کا شیخ الحدیث مولانا **عبدالحق** نمبر

**ایک عہد ایک تحریک اور ایک تاریخ**

بہترین کتابت، عمدہ طباعت، مضبوط اور دیدہ زیب سنہری جلدیں، ماہنامہ الحق کے مستقل قارئین اور نئے بننے والے خریداروں کے لیے ۳۲ فی صد کی خصوصی رعایت

**اصل قیمت ۲۵۰ روپے خصوصی رعایت ۱۷۰ روپے**

وی پی نہیں کیا جائے گا۔ پیشگی رقم بھیجئے مال کو رجسٹرڈ پارسل کے ذریعہ بھیجا جائے گا

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

## ساتواں کبیرہ

# میدانِ جنگ سے فرار


مؤلف: ابو عبدالرحمن شبیر بن نور


دنیا کا کوئی نظام محض کرائے کی فوج یا تنخواہ دار لشکر کے بل بوتے پر قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ ہی بھاڑے کے آدمی کوئی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا فوج کے اندر اصل جوہر اس کا جذبہ اور اپنے مقصد کی خاطر جاں نثاری ہوتا ہے۔ اگر یہ خوبی دستیاب ہو تو تھوڑے سے افراد، کمزور اسلحے کے ساتھ اپنے سے کہیں زیادہ طاقت ور فوج اور لشکر سے ٹکرا سکتے ہیں۔ ایمان باللہ سے بڑا جذبہ کیا ہوگا؟ اور حصولِ جنت سے بہتر مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اسی لیے اہلِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے معیارِ شجاعت قوت کی حالت میں دس گنا اور کمزوری کی حالت میں دوگنا دشمن سے مقابلہ کو قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

"اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ"[1] تو اہلِ ایمان پر فرض ہو گیا کہ بیس آدمی دو سو کے مقابلے میں نہ بھاگیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم نازل فرمایا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا، فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ۔"[2] اور اس حکم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا فرما دی اور یہ بات طے کر دی کہ سو اہلِ ایمان دو سو کے مقابلے میں نہ بھاگیں۔[3]

---

[1] "اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔" (الانفال: ۶۵)

[2] "اچھا اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا، اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔" (الانفال: ۶۶)

[3] صحیح بخاری، کتاب تفسیر سورت الانفال، باب الآن خَفَّفَ اللّٰہُ عنکم۔ ابوداود، کتاب الجہاد، باب التولی یوم الزحف۔

اسی آیت کو بنیاد بناتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ:

"جو مسلمان دو کافروں کے مقابلے میں بھاگ گیا اسے بھگوڑا قرار دیں گے اور جو تین کافروں کے مقابلے میں بھاگا اسے بھگوڑا قرار نہیں دیا جائے گا۔"[1]

میدانِ جنگ سے کسی جنگی مصلحت اور حقیقی ضرورت کے تحت پیچھے ہٹنا قطعاً جرم نہیں مثلاً دشمن کو چکر دینے کے لیے، کسی کمزور دستے کو تعاون دینے کے لیے یا یہ کہ دشمن کی فوج اتنی زیادہ ہو کہ مقابلہ ناممکن ہو جائے اور پوری فوج کی جان بچانا مقصود ہو۔ البتہ اگر کوئی سپاہی بزدلی یا نکھٹو پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرے تو یقیناً یہ بہت بڑا جرم ہے۔ دنیا کا کوئی عسکری نظام بھی ایسے بھگوڑے کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ شریعت نے بھی اسے ناقابلِ معافی جرم اور بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ[2]

"اے ایمان لانے والو، جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو اُن کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو، جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری ——— اِلّا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ——— تو وہ اللہ کے غضب میں گھر گیا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔"

---

[1] سنن البیہقی ۹/۷۶، کتاب السیر باب تحریم الفرار من الزحف۔
مسند الامام الشافعی، حدیث ۱۱۵۵۔ اس قول کی سند صحیح ہے۔ ارواء الغلیل حدیث ۱۲۰۶۔

[2] سورت الانفال، آیت ۱۶۔

دورانِ جنگ ایک آدمی کی بزدلی دوسروں کی حوصلہ شکنی کا سبب بنتی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ایک آدمی کی وجہ سے ساری پلٹن متاثر ہو کر شکست کھا جائے۔ اور اس کے اثر سے بالآخر پوری فوج کو بے شمار مالی اور جانی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "فرار" کو ان سات گناہوں میں شمار کیا ہے جو ہلاکت خیز ہیں۔ فرمایا:

اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ۔[1]

"سات ہلاکت خیز گناہوں سے دُور رہو"۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: یارسُول اللہ وہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس جان کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہوا سے قتل کرنا، سُود کھانا، یتیم کا مال ہضم کرنا، میدانِ جنگ سے فرار ہونا، سیدھی سادی مومنہ اور پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام دھرنا۔

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو آدمی اس حال میں اللہ کے حضور پیش ہوا کہ وہ اللہ کی عبادت کرتا رہا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، نماز قائم کرتا رہا، زکوٰۃ ادا کرتا رہا اور بڑے بڑے گناہوں سے بچتا رہا۔ تو اس کے لیے جنت پکی ہو گئی"۔ صحابہ کرامؓ نے کبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور میدانِ جنگ سے بھاگ جانا"۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر وَاَکبرہا۔

[2] سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب ذکر الکبائر۔ مسند امام احمد، ج ۵، ص ۴۱۳۔ سند حسن ہے۔ حدیث کے الفاظ اور حکم باب اوّل میں گزر چکے ہیں۔

دورانِ جہاد بزدلی اور بھگوڑے پن کا مظاہرہ کرنے والے کی وجہ سے امّت کا کس قدر نقصان ہوتا ہے اس کا صحیح معنی میں اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خَمْسٌ لَيْسَ لَهُنَّ كَفَّارَةٌ: الشِّرْكُ بِاللهِ عَزَّوَجَلَّ وَ قَتْلُ النَّفْسِ بِغَيْرِ حَقٍّ اوْ نَهْبُ مُؤْمِنٍ اَوِالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ اَوْ يَمِيْنٌ صَابِرَةٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالاً بِغَيْرِ حَقٍّ"[1]

پانچ گناہ ایسے ہیں کہ کوئی بھی نیکی اُن کا کفارہ نہیں بن سکتی (اور وہ یہ ہیں) "اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کر دینا، کسی مومن کو لوٹ لینا، دورانِ جنگ فرار اختیار کرنا۔ یا جھوٹی قسم کے ذریعے ناحق مال حاصل کرنا۔"

بزدل اور بھگوڑے کی اس حرکت کی وجہ سے مسلمانوں کو جو جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے، درحقیقت وہ خود بھی اندر سے ایمان باللہ اور تقدیرِ الٰہی پر سچے ایمان سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی حد تک یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میری اس احمقانہ حرکت سے شاید میری زندگی بچ جائے گی حالانکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی قبل از وقت یا بعد از وقت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ، فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ[2]

"ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے۔ پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی۔"

---

[1] مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۶۱-۳۶۲۔ شیخ الحدیث علامہ الالبانی نے سند کے بارے میں اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل حدیث ۱۲۰۲۔

[2] سورت الاعراف، آیت ۳۴۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اس آیت کریمہ کی خوبصورت اور ناقابلِ تردید عملی تعبیر ہے جو سو سے زیادہ جنگوں میں شریک ہوئے، سارا جسم نیزے اور تیر کے زخموں سے چھلنی ہوا، ساری زندگی کبھی موت سے نہیں ڈرے، بلکہ ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑائی لڑی ــــ لیکن موت بستر پر نصیب ہوئی۔ آپؓ بہت حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اے کاش! شہادت کی موت نصیب ہو جاتی۔

ثابت ہوا کہ دورانِ قتال معرکے سے فرار ہونا نہ صرف عمل کی کوتاہی اور بہت بڑا گناہ ہے بلکہ ایمان کی کمزوری اور تقدیرِ الٰہی سے بھاگنے کی احمقانہ کوشش بھی ہے۔

---

## آٹھواں کبیرہ

# پاک دامن خاتون پر زنا کی تہمت لگانا

اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوئی لاکھوں کروڑوں نعمتوں میں سے "زبان" اور "قدرتِ کلام" ایک عظیم نعمت ہے۔ اس کے حسنِ استعمال سے جس قدر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ نقصان اس کے غلط استعمال میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلط استعمال کی اُخروی جواب دہی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ، وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○[1]

"ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں اُبھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم

---

[1] سورت قٓ، آیت ۱۶-۱۸۔

اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (اور ہمارے اس براہ راست علم کے علاوہ) دو کاتب اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظِ زبان اور اس کے حسنِ استعمال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ اَبْعَدَ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[1]

"بسا اوقات انسان بلا سوچے سمجھے کوئی بات کہہ بیٹھتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ گہری آگ میں جا گرے گا۔"

زبان سے پیدا ہونے والی مشکلات اور مسائل سے بچنے کا علاج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی تجویز فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَسْكُتْ[2]

"جو آدمی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔"

مذکورہ بالا احکامِ الٰہی اور فرموداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اگر کوئی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے اور بالخصوص لوگوں کی عزتوں سے کھیلتا ہے تو یقیناً بہت بڑے جرم اور گناہ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ کسی کی عزت پر انگلی اٹھانا اور بالخصوص زنا کا الزام دھرنا نہ صرف متعلقہ فرد کو قتل کر دینے کے برابر ہے بلکہ اس کے سارے خاندان کو برباد کرنے سے زیادہ بدتر ہے، اسی لیے شریعتِ اسلامی نے زنا کے بعد سب سے کڑی سزا الزامِ زنا کی مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب التکلم بالکلمۃ یہوی بہا فی النار۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار۔

[3] سورت النور، آیت ۴۔

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، اُن کو اسّی کوڑے مارو، اور اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔"

اسی سورت میں آگے چل کر زنا کا الزام دینے والوں کی اُخروی سزا کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

"جو لوگ پاک دامن بے خبر عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ اُن کی اپنی زبانیں اور اُن کے اپنے ہاتھ پاؤں اُن کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔"

اگرچہ دونوں آیات میں عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر ہے لیکن پوری اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں یا مردوں پر زنا کی تہمت لگانا برابر کا جُرم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات سورت النّور کی ہیں۔ سورت النّور ہجرتِ مدینہ کے پانچ یا چھ سال بعد نازل ہوئی ہے۔ ہجرتِ مدینہ منوّرہ سے بھی آٹھ سال قبل جب ۵ نبوی میں مسلمانوں کا پہلا گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا تو نجاشی کے دربار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر الطیار رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات کا جو خلاصہ بیان کیا اس میں بتایا:

نَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ[2]

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں روکا ہے گندے کاموں سے جھوٹ بولنے سے یتیم کا مال کھانے سے اور پاک دامن خاتون پر زنا کا الزام دھرنے سے۔"

---

[1] سورت النّور، آیت ۲۳-۲۴

[2] مسند امام احمد، ج ۱، ص ۲۰۲۔ حدیث ۱۷۴۰، تخریج احمد محمد شاکر۔ مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۴-۲۷۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۳، ص ۷۲-۷۵۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۱۱-۲۱۴۔ حدیث صحیح ہے۔

سورت النور کے احکام نازل ہونے سے کم از کم تیرہ سال قبل جو بنیادی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو دی اس میں بھی پاک دامن خاتون پر زنا کا الزام دھرنے سے منع فرمایا، علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن معروف سات تباہ کن گناہوں کا تذکرہ فرمایا تو دیگر چھ گناہوں کے علاوہ ساتواں گناہ "زنا کی تہمت" قرار دیا، بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث بار بار گزر چکی ہے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کی تعداد نو بتائی تو ان میں بھی "تہمتِ زنا" کو ایک کبیرہ گناہ شمار کیا۔[1]

ایک عام آزاد شہری کے علاوہ اگر کوئی اپنے زرخرید غلام یا لونڈی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تب بھی وہ سنگین گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں مالک پر سزا نافذ نہیں کی جاسکتی، لیکن آخرت کی سزا سے وہ نہیں بچ سکے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بِالزِّنَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ[2]

"جس کسی نے اپنے زرخرید غلام پر زنا کی تہمت باندھی قیامت کے دن اس پر حد (یعنی اسی کوڑے) لگائی جائے گی۔ اِلّا یہ کہ غلام نے واقعتہً زنا کیا ہو۔"

بڑا نیکوکار ہونے کے باوجود بھی اگر کوئی انسان کسی دوسرے پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو اپنی ساری کی ساری نیکی کو خطرے میں ڈال رہا ہوتا ہے، بلکہ شدید اندیشہ ہے کہ اُس کی ساری نیکیاں بھی اُس کی اس حرکت کا کفارہ نہ بن سکیں اور اُلٹا اسے دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر اُٹھانا پڑے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا: "تمہارے خیال میں مفلس کون ہے؟" صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: "ہمارے خیال میں تو مفلس وہ ہے جس کے پاس نقد رقم نہ ہو اور نہ ہی سامان ہو۔" تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد، سنن النسائی، المستدرک للحاکم، سنن البیہقی کے حوالے سے حدیث مکمل الفاظ اور ترجمے سے گزر چکی ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب قذف العبید۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب التغلیظ علی من قذف مملوکہ بالزنا۔

اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ۔[1]

"میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے فرائض ادا کر کے قیامت کے روز حاضر ہو لیکن حالت یہ ہو کہ کسی کو گالی دی تھی، کسی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، کسی کا خون بہایا تھا، اور کسی کو مارا پیٹا تھا، لہٰذا اسے اس کی نیکیوں میں سے کچھ دے دیا جائے گا۔ اور اُسے اس کی نیکیوں میں سے کچھ دے دیا جائے گا۔ (اور اس طرح تمام طالبانِ حقوق پر اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔) لیکن اگر سارے حقوق کی ادائیگی سے پہلے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو بقیہ طالبانِ حقوق کے گناہ اس کے اُوپر لاد دیئے جائیں گے۔ پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔"

ایسے بھیانک اور خوفناک انجام کو سمجھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی اپنی زبان کو لگام دینے کے لیے تیار نہیں تو پھر عذاب کے کوڑے کے علاوہ کوئی دوسری نصیحت اس کے حق میں کارگر نہیں ہو سکتی۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۰۳۔ حدیث ۸۰۱۶۔ تخریج شاکر۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

# ایک خط اور اس کا جواب

محترم المقام جناب ڈاکٹر صاحب امیرِ تنظیم اسلامی، دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلیٰ من لدیکم

خدا کرے آپ مکمل طور پر باصحت ہوں اور تادیرِ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کے فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہوں۔

الحمد للہ کہ تنظیم اسلامی کے سترہویں اجلاس میں راقم الحروف از اول تا آخر شریک رہا اور اجتماع کے پہلے تین دنوں کے تمام سیشن بہت اچھے اور بھرپور ہوئے۔ ماسوائے آخری دن کے دونوں sessions کے، جن کے بارے میں آپکی توجہ چند امور کی طرف مبذول کروانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

اور اسی طرح موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے جابر کافر کی طرف بھیجتے ہوئے دیگر ہدایات کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ○

اسی طرح دیگر تعلیمات اسلام کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ نرمی اور رأفت ورحمت، رحمت خداوندی ہے لیکن (گستاخی معاف) آپ نے آخری دن سوالات کے جوابات کے دوران لوگوں کو جو ڈانٹا ہے یا حد سے زیادہ سختی اور غصہ کا اظہار کیا ہے اس نے رفقاء اور مبصرین کے اذہان پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا ہے، بلکہ آپ نے جو امین احسن اصلاحی کا کسی اجتماع کے دوران حد سے زیادہ غصہ کا ذکر کیا تھا تو ایک صاحب کے بقول "ان کے اور ڈاکٹر صاحب کے انداز میں محض گریڈ کا فرق ہے۔"

خواتین کی طرف سے جو سوال تھا وہ تو انہوں نے سمجھنے کے لئے کیا تھا لیکن آپ نے اسمیں انکی نیت پر شک کا اظہار کیا جو کہ ظنّ المومنین (والمومنات) خیرًا کے شاید خلاف ہے۔

یہ باتیں ایک معمولی سے سروے سے سامنے آئیں اور یہ بات بھی سامنے آئی کہ یا تو سوالات کا سیشن نہیں ہونا چاہئے تھا یا اگر ہو تو پھر نہایت نرمی اور ٹھنڈے دل و دماغ سے جوابات دینا چاہئے تھا اور آئندہ بھی یہ نہ ہو کہ (اور خدا کرے کہ ایسا نہ ہو کہ) **لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ** اور **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا** کا مصداق نہ بن جائے۔ کیونکہ ابھی تک رفقاء کے ذہن اس طرح نہیں بنے کہ ادھر ادھر دیکھیں بھی نہ' بلکہ یہاں تو اور بھی بہت سی جماعتیں کام کرتی ہیں اور ہر ایک دلیل کے ساتھ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہم حق پر ہیں' بلکہ بعض تو اپنے آپکو "الجماعۃ" بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے آئندہ احتیاط رہے تو ہم سب کے حق میں بہتر ہو گا۔

امید ہے کہ راقم کی درج بالا گذارشات پر غور فرمائیں گے اور تلافی کی کوئی بہتر صورت سوچ کر عملی قدم اٹھائیں گے۔

یہ گذارشات نصح و خیر خواہی کے جذبے سے آپکی خدمت میں پیش کی ہیں' تاہم پھر بھی کوئی بات ناگوارِ خاطر ہو تو اس پر پھر معافی کا خواست گار ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے لئے جہد اور بڑی سے بڑی قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپکا رفیق اور مخلص
عبدالماجد لیکچرر بائیالوجی
ماڑی خان خیل' ضلع و تحصیل مانسہرہ

## جواب (از چوہدری غلام محمد معتمد تنظیم اسلامی پاکستان)

برادر عزیز پروفیسر عبدالماجد صاحب
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

توقع ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کا مکتوب گرامی مورخہ ۲۳ اپریل بنام امیر محترم موصول ہوگیا تھا۔ اور موصوف نے اس کو ملاحظہ فرمالیا تھا۔ آپ کے جواب میں چندے تاخیر ہوگئی ہے۔ معذرت قبول فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔ اور خدمت و دعوت دین کے لئے محنت و جانفشانی اور ایثار و قربانی کی توفیق اور سعادت مرحمت فرمائے۔ آپ کے خط سے خلوص و اخلاص کی خوشبو آتی ہے۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر بعض امور جن کے بارے میں آپ کو کچھ کھٹک محسوس ہوئی' آپ نے بہت ہی اچھے انداز میں ان کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو

جزائے خیر دے۔ خط کے اسلوب اور آیات قرآنیہ کے استحضار سے آپ کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہوا اور نوجوان رفقائے تنظیم کے بارے میں جب اس طرح کی بات سامنے آتی ہے تو مستقبل میں امیدوں کے چراغ روشن ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ امیر محترم اور ان کے ابتدائی ہم سفرین کے اس کام کے لئے جو کچھ کرسکے اس کا اگلی منازل سے روشناس ہونا نوجوانوں کی ہمت و صلاحیت اور ایثار و قربانی پر منحصر ہے۔

اب آیئے اپنے خط کے مندرجات کی جانب۔ آپ نے نرمی و شفقت اور رأفت و رحمت کی ضرورت و اہمیت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے کس کو مجال انکار ہوسکتی ہے اور آپ نے بہت صحیح حوالہ دیا کہ انبیائے کرام اور خود سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی بارگاہ الٰہی سے اس کی بار بار تلقین اور یاد دہانی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ گویا کہ حالات کی کشاکش اور معاملات کے زیر و بم میں وہ مواقع آجاتے تھے جب ان پاکباز اور معصوم ہستیوں کے مبارک دل بھی متاثر ہوتے تھے اور جذبات میں شدت پیدا ہوجاتی تھی۔ بالخصوص امور دینی کے سلسلہ میں اپنے ساتھیوں کی کم کوشی یا نامناسب روش پر۔ آپ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا حوالہ دیا ہے کہ فرعون جیسے جابر کافر کی طرف بھیجتے ہوئے انہیں نرم گفتاری کی تلقین ہوئی۔ بالکل درست۔ یہ مقام دعوت تھا اور ا ر ، کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن آپ نے غور نہیں کیا کہ جب بارگاہ الٰہی میں شرف باریابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی طرف لوٹے اور انہیں گوسالہ پرستی میں ملوث پایا تو ان کے غیظ و غضب کی کیا کیفیت تھی: "**فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا**۔" اپنے ہی بھائی اور شریک کار اللہ کے رسول حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس اور فہمائش کا کیا انداز تھا: "**اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ**" (کیا تو نے میری نافرمانی کی)۔ انہیں یہ دردمندانہ اپیل کرنی پڑی کہ: "**يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ**" (اے ماں جائے میری داڑھی اور سر کے بالوں کو نہ پکڑ)۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نرم گفتار، حلیم الطبع اور متحمل مزاج اور کون ہوگا۔ ان کی شفقت اور رحمت اور عفو و درگزر کے واقعات تو عام ہیں ہی لیکن احادیث مبارکہ میں ایسے واقعات کا بھی تذکرہ ہے کہ چہرہ انور غیظ و غضب سے سرخ ہوگیا اور کئی دفعہ ناگواری اور بیزاری کے کلمات بھی آپ کی زبان مبارک سے نکلے۔ اور یہ بالعموم اس وقت ہوا جب اپنے ہی کسی ساتھی یا ساتھیوں کی ناگوار روش سامنے آئی۔ وہ لوگ جو نماز باجماعت میں شامل نہ ہوئے اور گھروں میں بیٹھے رہ گئے ان کے بارے میں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی اور کو امام بنا کر میں جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں محض تکلفاً یا محاورۃً نہ

تھا بلکہ شدید غصہ اور بیزاری کا اظہار تھا۔ اس طرح مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر کسی کا یہ کہنا کہ "**اِعدِل یا محمد**" (اے محمد ﷺ انصاف کرو) گستاخانہ کلام تھا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظرانداز اور برداشت نہیں کیا بلکہ غصے کے ساتھ جواب دیا کہ "**وان لم اعدل فمن یعدل**" ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شفقت و رحمت اور باز پرس و تہدید کے اپنے اپنے مواقع ہیں۔ اور یہ تصور کہ اللہ والوں کو غصہ آتا ہی نہیں اور ناگواری و بیزاری کے کلمات ان کی زبان سے ادا ہونا خلاف منصب ہے' ایک مہمل تصور ہے۔ اگر یہ بات ہو تو غیرت و حمیت دینی اور اس کی بنیاد پر ترک و اختیارِ تعلقات و موالات کہاں تلاش کریں گے۔

آپ نے امیر محترم کو ڈانٹ ڈپٹ' سختی اور غصہ کے اظہار سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے۔ ایک اچھا مشورہ ہے۔ اور آپ نے اپنا اور اپنے احباب کے مجموعی تاثر کا جو ذکر کیا ہے اس پہلو سے غور طلب بھی ہے۔ تاہم اگر آپ کچھ مزید غور کریں تو شاید اپنی رائے پر نظرثانی کرلیں۔ سوالات کے انداز میں تجاویز اور آراء پیش کرنے والے رفقاء اکثر وہی تھے جو مدت سے امیر محترم کے ساتھ ہیں۔ دینی فکر اور اسکے تقاضوں کو سمجھتے ہیں۔ ان کے نیاز مند اور محفلوں کی رونق ہیں۔ لیکن مختلف وجوہ کی بناء پر تنظیمی مقاصد کیلئے پیشقدمی اور ایثار و قربانی کی سعادت سے محروم ہیں۔ ان سے تقاضا ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اگر وہی مجالس میں کھڑے ہو کر تنظیمی سست روی اور پژمردگی کا رونا روئیں اور طویل و عریض تجاویز و آراء پیش کریں جن کے دسویں حصے پر بھی وہ خود کاربند نہیں ہو رہے تو" دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت' درد سے بھر نہ آئے کیوں؟" شکوہ و شکایت اور تہدید و فہمائش تو ان ہی کیلئے ہو گی جو ایفائے عہد سے گریزاں ہیں۔ کیا یہ رد عمل فطری نہیں؟

آپ نے ایک خاتون عزیزہ کے سوال کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جواب میں امیر محترم نے ان کی نیت پر شک کا اظہار کیا۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ سوال انتہائی غلط اور ناروا انداز میں مرتب کیا گیا تھا اور ایسے ذہن کا عکاس تھا جو احکام شرعی میں غلو کرکے بلندیٔ درجات کی تمنا میں ناروا پابندیاں اختیار کرتا ہے۔ سوال کا لبِ لباب یہ تھا کہ ہال میں خواتین کیلئے پردے کا جو انتظام کیا گیا ہے اس سے وہ تو پردے میں ہو گئی ہیں۔ لیکن وہ مردوں کو دیکھ رہی ہیں۔ کیا یہ پسپائی عافیت کوشی کی بنیاد پر ہے؟ جواب تو آپ نے سن ہی لیا تھا۔ لیکن کیا سوال کے انداز پر برہمی کا کوئی امکان نہیں تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ کسی ناسمجھ نے بھونڈا سوال کیا (جس کے جواب میں امت کا نقصان تھا) تو حضور سخت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ:

**عن ابن قتادة ان رجلاً اتی النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کیف تصوم۔ فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ۔ فلما رأی عمر غضبہ قال رضینا باللہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد نبیا نعوذ باللہ من غضب اللہ و رسولہ۔ فجعل عمر یردد ھذا الکلام حتی سکن غضبہ۔ (رواہ مسلم)۔**

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ آپ کتنے روزے رکھتے ہیں۔ اس پر آپ نے غضب کا اظہار فرمایا۔ جب حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کے غصہ کو محسوس کیا تو وہ پکار اٹھے: ہم اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جان کر راضی ہیں۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے۔ حضرت عمرؓ اس بات کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا غصہ فرو ہو گیا۔

اس کے بعد اس حدیث مبارکہ میں تذکرہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے بعد حضورؐ سے اس انداز میں سوال کئے، جس کے نتیجہ میں امت کو روزہ کی نفلی عبادت کے بارے میں ہدایات ملیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا اجتماع میں بھی تذکرہ ہوا تھا اور آپ نے اپنے خط میں ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ ایک صاحب کے بقول "ان کے اور ڈاکٹر صاحب کے انداز میں محض گریڈ کا فرق ہے"۔ یعنی غصہ کے اعتبار سے۔ یہ بات صد فی صد درست ہے، کیونکہ یہ فرق بہت بڑا فرق ہے۔ گریڈ نمبر ا اور گریڈ نمبر ۲۰ میں گریڈ کا ہی فرق ہوتا ہے لیکن زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی فرق بالکل واضح ہے۔ مولانا کا علم و فضل مسلّم لیکن تنک مزاجی کی وجہ سے پوری عمر کسی ایک آدمی کو بھی اپنے ساتھ کسی تنظیمی سلسلے میں منسلک نہ کر سکے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈاکٹر صاحب کی قیادت میں انجمن خدام القرآن نے ۲۰ سال مکمل کر لئے ہیں اور ذیلی انجمنوں کا سلسلہ روز افزوں ہے۔ تنظیم اسلامی کا قافلہ بھی مختصر سہی لیکن ۱۷ سال سے رواں دواں ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ باقی یہ راہبانہ تصور کہ غصہ کا گریڈ زیرو ہی قدر مطلوب ہے نہ درایتاً معقول ہے اور نہ روایتاً صحیح۔ بلکہ صحیح موقع پر اس کا فقدان ہو تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں غیرت و حمیت ہی سے محرومی تو نہیں۔

خط کے آخر میں آپ نے انتہائی دردمندی اور دلسوزی سے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ رفقاء کے ساتھ یہ گرم گفتاری انہیں تنظیم سے برگشتہ نہ کر دے اور وہ اِدھر اُدھر تنظیموں

اور جماعتوں کو دیکھنا نہ شروع کر دیں' جو کہ بہر حال حق پر ہی ہونے کی دعویدار ہیں' بلکہ اپنے آپ کو "الجماعہ" بھی کہہ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر فتنہ سے محفوظ رکھے اور اگر طرز عمل میں کوئی کوتاہی ہے تو اصلاح کی توفیق مرحمت فرمائے۔ لیکن تنظیموں اور جماعتوں سے رفقاء کو پردہ میں رکھنا ہماری روایت کے بالکل برعکس ہے۔ اور آپ کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے بھی اپنے لٹریچر کو پوری طرح نہیں پڑھا۔ ہم نے تو اس کیلئے محنت و کوشش کی ہے۔ دسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ہم نے اپنے دینی فکر بالخصوص تصور فرائض دینی کا خلاصہ ملک بھر کے اصحاب علم و فضل کو اس درخواست کے ساتھ ارسال کیا تھا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے متعلق اپنی تنقیدی' تائیدی یا اختلافی آراء وہ خود اجتماع میں تشریف لا کر رفقاء کے سامنے رکھیں۔ یہ محافل چھ روز تک جاری رہیں (میثاق کا متعلقہ شمارہ منسلک ہے)۔ ہماری خواہش تو یہ ہے کہ رفقاء خوب اچھی طرح گرد و پیش کا جائزہ لیں اور اگر ساتھ دینا ہے تو علیٰ وجہ البصیرۃ دیں۔ اور اپنے فرائض دینی کی بجا آوری کیلئے اپنی آخرت کے مفاد میں محنت کریں۔

خط کا جواب طویل ہو گیا۔ آپ کے جذبۂ نصح و خیر خواہی کی ہمیں بہت قدر ہے۔ ہماری گزارشات پر آپ بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر سوال و جواب کے سلسلہ میں آپ کی تجویز کو آئندہ کیلئے زیر غور رکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

غلام محمد

معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان

---

عَنِ الحَارِثِ الاَشعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ ۵

بِالجَمَاعَۃِ ۱ وَالسَّمعِ ۲ وَالطَّاعَۃِ ۳ وَالھِجرَۃِ ۴ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللہِ ۵"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

# امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ مظفر آباد (آزاد کشمیر) اور تحریکِ خلافت کا جلسۂ عام

جون ۹۲ء میں جب ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان صاحب دو روزہ دورے پر مظفر آباد تشریف لائے تو اسی دوران راقم نے یہاں عربی کی کلاس کا اجراء بھی کر دیا تھا' جس کا بنیادی مقصد توسیع دعوت ہی تھا۔ ظاہر ہے جب تک رابطہ عوام کے لئے کوئی مناسب پلیٹ فارم نہ ہو اور وسائل بھی کم ہوں تو کوئی نہ کوئی متبادل ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ چنانچہ عربی کی کلاس سے کچھ تعلیم یافتہ نوجوان میسر آگئے' جن سے گاہے بگاہے اقامت دین کی جدوجہد میں مصروف جماعتوں کے حوالہ سے بھی بات ہوتی۔ مزید برآں مختلف تنظیموں اور جماعتوں کے نمائندوں سے گفتگو اور ملاقات کے مواقع بھی میسر آنے لگے۔ البتہ عوامی سطح پر تنظیم کی دعوت پیش کرنے کی صورت نہ بن سکی۔ کافی غور و خوض اور حالات کے جائزے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا کہ تعارف تنظیم اسلامی کے سلسلہ میں عوام تک رسائی کے لئے ایک جلسہ عام کا انعقاد لازمی و لابدی ہے۔ چنانچہ راقم نے محترم ناظم حلقہ سے اس سلسلے میں بات کی اور ان سے عرض کیا کہ امیر محترم سے مظفر آباد کے دورے کی درخواست کی جائے۔ اگر امیر محترم برسات سے پہلے مظفر آباد تشریف لانے پر راضی ہو جائیں تو ہماری خوش نصیبی کے کیا کہنے۔ اللہ کے فضل و کرم سے امیر محترم نے مظفر آباد آنے کی حامی بھرلی اور جلسہ عام کے لئے ۲۹ر جون کی تاریخ طے فرمادی۔ ناظم حلقہ نے لاہور سے یہ اطلاع دینے کے لئے فون کیا تو ۲۹ر جون تک صرف ایک ہفتے کا فصل تھا' جس میں ہمیں جلسہ عام کی تیاری اور دیگر معاملات کو نمٹانا تھا۔ بہرحال اسی دن راقم ناظم حلقہ سے مشورہ کرنے کے لئے پیروٹ روانہ ہو گیا' جہاں تحریک خلافت کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا اور ناظم صاحب کو بھی وہیں تشریف لانا تھا۔ جلسے کے اختتام کے بعد ناظم حلقہ راقم کے ہمراہ مظفر آباد تشریف لے آئے۔ مظفر آباد کی معروف جلسہ گاہوں کا جائزہ لیا گیا۔ موسم کے تغیرات کے باعث جگہ کے تعین کا فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ بہر حال کچھ سوچ بچار کے بعد "اپراڈہ" پر جلسہ عام کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بعد ازاں تحریک خلافت کے بزرگ معاون اور معروف علمی و دینی شخصیت جناب مولانا سید مظفر حسین ندوی صاحب سے ملاقات کر کے انہیں امیر محترم کے دورے اور جلسہ کے پروگرام کے متعلق آگاہ کیا گیا۔

مولانا صاحب نے اس رائے کا اظہار فرمایا کہ وزیر اعظم سیکریٹریٹ میں ہر پیر کو جو درس ہوا کرتا ہے' سردار عبدالقیوم صاحب (وزیر اعظم آزاد کشمیر) سے بات کر کے اس کی بجائے منگل کے دن امیر محترم کا درس رکھوایا جا سکتا ہے۔ یہ ذمہ داری محترم مولانا صاحب نے اپنے سر لے لی اور اس سے نہایت خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئے۔ مولانا سے اپنی ملاقات میں سردار عبدالقیوم صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ جلسہ عام سے فراغت کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اگر وزیر اعظم ہاؤس تشریف لائیں تو ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

مولانا ندوی صاحب سے ملاقات کے بعد ناظم حلقہ دوبارہ بیروٹ شریف لے گئے تھے اور وہاں سے گاڑی لے کر ۲۳ر جون کو دوبارہ مظفر آباد لوٹے۔ اس دوران راقم نے ان کی ہدایت پر ہینڈ بلز اور بینرز لکھوانے کا کام کسی حد تک مکمل کر لیا۔ بینرز لکھنے کے لئے ہمارے دو نوجوان معاونین آصف اختر قریشی صاحب اور عتیق احمد قریشی صاحب نے اپنی خدمات پیش کیں اور اس کا بھرپور حق ادا کیا۔ اسی دوران ہمیں دفتر کے لئے ایک نئی اور مناسب جگہ بھی میسر آ گئی۔ ۲۴ر جون کو نائب ناظم حلقہ جناب خالد محمود عباسی صاحب بھی بیروٹ سے فراغت کے بعد مظفر آباد پہنچ گئے۔ وال چاکنگ کا مرحلہ ابھی باقی تھا' چنانچہ ۲۴ر جون سے چاکنگ کا باقاعدہ کام شروع کر دیا گیا۔ اسی دن مختلف مقامات پر مقیم رفقاء اور معاونین کو چٹھیاں ارسال کی گئیں اور مختلف عسکری و دینی تنظیموں اور جماعتوں کے سربراہان کے علاوہ مفتی حضرات' وزیر اعظم صاحب اور بار ایسوسی ایشن کے ارکان کو بھی دعوت نامے ارسال کئے گئے۔ اسی دن بار ایسوسی ایشن کے صدر سے بھی رابطہ کیا گیا اور امیر محترم کے خطاب کے لئے وقت لیا گیا جو کہ ۳۰ر جون بروز منگل ۱۲ بجے دن طے پایا۔ ۲۵ جون کے دن ملحقہ بازار میں ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔ ۲۵ جون کو شام سے ہی دوبارہ چاکنگ کے لئے ٹیم ورک کا آغاز کر دیا گیا جو کہ رات ۲ بجے تک جاری رہا۔ اسی دوران شہر کے مصروف ترین چوکوں' چوراہوں اور داخلی سڑکوں اور پلوں پر بینرز بھی آویزاں کئے گئے۔ ۲۶ر جون بروز جمعہ المبارک شہر کی بڑی بڑی مساجد میں ہینڈ بلز کی تقسیم کے علاوہ کتبے بھی لگائے گئے اور اسی روز علماء و خطباء حضرات سے نماز جمعہ سے پہلے جلسہ عام اور امیر محترم کے خطاب کے ضمن میں اعلانات کرنے کی درخواست کی گئی۔ جمعۃ المبارک ہی کو بعد نماز مغرب رفقاء و معاونین کی میٹنگ طلب کی گئی۔ اس میں حاضری تسلی بخش رہی' البتہ ہمارے چند ایک فعال اور محنتی رفقاء بعض حادثاتی امور کے باعث اگلے چند روز تک معذرت پر رہے۔ ہمارے نائب ناظم جناب خالد محمود عباسی کو بھی اپنے ماموں جان کی وفات پر گاؤں جانا پڑا۔ بہرحال اس دوران اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت و تائید فرمائی اور افرادی قوت کی کمی کے علی الرغم تمام امور طے شدہ وقت کے مطابق انجام پذیر ہوئے۔ ۲۷ر اور ۲۸ر

جون کو مظفر آباد ریڈیو سے شام کی نشریات میں مقامی خبروں (کشمیری' گوجری' ہندکو' اردو) کے بلیٹن میں امیر محترم کے جلسہ عام سے خطاب اور وزیر اعظم سیکریٹریٹ میں درس قرآن کے بارے میں ایک ایک گھنٹے کے وقفے سے ۸ بار اعلان کروایا گیا۔ ۲۸ر اور ۲۹ر جون کو گاڑی پر پبلک ایڈرس سسٹم نصب کر کے شہر اور مضافات میں جلسہ عام کا اعلان کیا گیا۔

جلسہ گاہ میں ساؤنڈ سسٹم اور ریکارڈنگ راقم کے ذمہ تھی' جبکہ کرسیوں کی فراہمی اور سٹیج کی تیاری رفیق مکرم جناب قاضی فخرالدین القاسم صاحب کی ذمہ داری تھی' جسے انہوں نے بطریق احسن انجام دیا۔ امیر محترم کو ائیر پورٹ سے لانے اور دورے کے دوران ان کی آمدورفت کی ذمہ داری ہمارے بزرگ رفیق جناب محمد اختر قریشی صاحب کو تفویض کی گئی تھی۔ ٹرانسپورٹ کی کمی کو محمد حسین عباسی صاحب آف بیروٹ کی گاڑی کی آمد نے دور کیا' جو تحریک کے بزرگ سرپرست و معاون ہیں۔ ۲۹ر جون کو امیر محترم دوپہر سے قبل تشریف لے آئے۔ دوپہر کے کھانے کا بندوبست محمد اختر قریشی صاحب نے دفتر میں ہی کیا تھا' جہاں سب رفقاء و معاونین نے امیر محترم کے ساتھ کھانا کھایا۔

امیر محترم کے خطاب عام کا وقت ساڑھے پانچ بجے مشتہر کیا گیا تھا' لیکن اس میں تھوڑی سی تاخیر کی گئی' کیونکہ قریبی مسجد میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ نماز باجماعت کی ادائیگی کے بعد جلسہ کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ راقم کے استاد محترم جناب قاری دلاور شاہ صاحب نے سورۃ النور کے چھٹے رکوع کی چند آیات کی تلاوت سے جلسہ کی کاروائی کا آغاز فرمایا۔ تلاوت کے بعد راقم نے امیر محترم کا مختصر تعارف کروانا مناسب سمجھا۔ امیر محترم کی شخصیت اگرچہ محتاج تعارف نہیں لیکن چونکہ مظفر آباد میں یہ ان کا پہلا عوامی خطاب تھا' لہٰذا اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پانچ بجکر پچپن منٹ پر امیر محترم کو دعوت خطاب دی گئی۔ اس دوران جلسہ گاہ میں لگائی گئی سب کرسیاں پر ہو چکی تھیں کہیں کہیں ایک کرسی پر دو دو افراد بھی بیٹھے نظر آئے۔ علاوہ ازیں بہت بڑی تعداد میں سامعین نے کھڑے ہو کر مسلسل ڈیڑھ گھنٹے تک امیر محترم کا خطاب سنا۔ عام طور پر ہمارے یہاں لوگ ۱۰ منٹ سے زیادہ جلسہ گاہ میں نہیں ٹکتے' لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ دعا کے ساتھ اس جلسہ عام کا اختتام ہوا صدر جلسہ مولانا سید مظفر حسین ندوی صاحب نے دعا مانگی۔ لوگ بہت حیران تھے کہ نہ زندہ باد' مردہ باد کے نعرے سنائی دیئے نہ کوئی لاٹھی بردار یا اسلحہ بردار جتھہ نظر آیا۔ نماز مغرب کے بعد دفتر تنظیم اسلامی مظفر آباد میں سوال و جواب کا سیشن رکھا گیا تھا۔ ۳۰ سے زیادہ افراد نے اس سیشن میں حصہ لیا۔ یہ سلسلہ ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ اسی دوران شرکائے مجلس کی چائے سے تواضع کی گئی۔

بعد ازاں امیر محترم اور چند رفقاء و معاونین وزیراعظم صاحب کی طرف سے دیئے گئے عشائیے میں شرکت کے لئے روانہ ہوگئے۔ پرائم منسٹرہاؤس سے ملحقہ مسجد میں عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد وزیراعظم صاحب کے اے ڈی سی صاحب کی راہنمائی میں ہم لوگ وزیراعظم ہاؤس میں داخل ہوئے۔ چند ہی لمحوں بعد وزیراعظم صاحب نمودار ہوئے' امیر محترم سے معانقہ فرمایا اور سب سے باری باری مصافحہ کرنے کے بعد امیر محترم کے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہوگئے۔ چند منٹ تعارفی کلمات اور حال احوال پوچھنے میں گذرے اس کے بعد ہمیں ایک اور ہال میں لے جایا گیا' جہاں قانون ساز اسمبلی کے اراکین اور وزراء سب ہی لوگ موجود تھے۔ کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران چائنیز سوپ سے ہماری تواضع کی گئی۔ وزیراعظم صاحب نے ۳۰ر جون کے درس قرآن میں تمام وزراء اور اسمبلی کے اراکین کی شرکت کو ممکن بنانے کے لئے اسمبلی کے اجلاس کو ۲ گھنٹے کے لئے ملتوی کرنے کی تاکید فرمائی جس پر صاد ہوا۔اس کے بعد جناب وزیراعظم کی معیت میں سب لوگ کھانے میں شریک ہوئے بعد ازاں ہم نے جناب وزیراعظم سے شکریئے کے ساتھ اجازت طلب کی۔وزیر اعظم ہمیں چھوڑنے گیٹ تک تشریف لائے۔ رات امیر محترم نے یونیورسٹی ہاسٹل میں بسر کی۔

صبح ناشتے کا پروگرام راقم کے ہاں تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد امیر محترم دوبارہ ہاسٹل تشریف لے گئے۔ درس قرآن کا وقت ۱۰ بجے دن مقرر تھا۔ امیر محترم نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی روشنی میں درس قرآن کا فیصلہ فرمایا تھا' لہٰذا اس آخری رکوع کی دو سو فوٹو کاپیاں شرکاء میں تقسیم کرنے کے لئے تیار کروالی گئی تھیں' لیکن عین وقت پر ان کی کمی کا شدید احساس ہوا' کیونکہ شرکاء درس کی تعداد کسی طور بھی دوہزار سے کم نہ تھی۔ تمام وزراء' سیکرٹری صاحبان اور دیگر جریدہ وغیر جریدہ ملازمین استماع درس کے لئے ہمہ تن گوش تھے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ درس قرآن کے لئے آیات کا متن سامنے ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر محض وعظ بن کے رہ جایا کرتا ہے۔ اور چونکہ میرے نام کے ساتھ بار بار "داعی تحریک خلافت" کا سابقہ استعمال کیا گیا ہے لہٰذا اب میرا فرض بنتا ہے کہ خلافت کیا ہے' اس کے خدوخال کیا ہیں اور پاکستان میں قیام خلافت کیسے ممکن ہے' یہ سب باتیں آپ کے سامنے رکھوں۔ چنانچہ امیر محترم نے تقریباً ۷۵ منٹ تک تفصیل سے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی۔ تمام لوگوں نے بڑے شوق اور انہماک سے خطاب سنا۔ امیر محترم نے اپنے سامنے تشریف فرما سردار عبدالقیوم صاحب سے مخاطب ہو کر ان کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ یہ میری زندگی کا ایک غیر معمولی اور منفرد اجتماع ہے کہ وزیر اعظم سمیت پوری گورنمنٹ کی موجودگی میں درس قرآن کی مجلس کا انعقاد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نتائج بھی

غیر معمولی بر آمد فرمائے۔ اس کے بعد دعا پر ہی اس مجلس کا اختتام ہوا۔ وزیر اعظم صاحب امیر محترم کو گاڑی تک رخصت کرنے آئے اور امیر کا شکریہ ادا کیا۔

اب پروگرام کے مطابق امیر محترم کو بار سے خطاب کرنا تھا' لہٰذا بلا تاخیر بار روم کی طرف روانگی ہوئی' جہاں تمام حضرات منتظر تھے۔ بار ایسوسی ایشن کے صدر چوہدری ابراہیم ضیاء صاحب کے مختصر تعارفی اور وضاحتی خطاب کے بعد امیر محترم کو دعوت خطاب دی گئی جس کا دورانیہ ۴۰ منٹ تک رہا۔ اس کے بعد سوالات کا سیشن شروع ہوا' جو ۲۵ منٹ تک جاری رہا۔ بعد ازاں کولڈ ڈرنکس اور دیگر لوازمات کے ساتھ ہماری تواضع کی گئی

بعد ازاں دفتر تنظیم اسلامی مظفر آباد کی طرف مراجعت ہوئی' جہاں محمد اختر قریشی صاحب اور قاضی فخرالدین القاسم صاحب امیر محترم کے ہاتھ پر سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے' جبکہ دیگر رفقاء نے تجدید بیعت کے طور پر اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح مظفر آباد میں رفقاء تنظیم کی تعداد ۱۰ ہو گئی۔ ۲۹ افراد نے تحریک خلافت کا عہد نامہ تعاون پر کیا۔

دوپہر کے کھانے کی محترم پروفیسر ایوب انصاری صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ کھانے سے قبل ان کے گھر سے ملحقہ مسجد (قاضی کمپلیکس) میں نماز ظہر ادا کی گئی۔ کھانے سے فراغت کے بعد امیر محترم وہاں سے سیدھے ریسٹ ہاؤس تشریف لے گئے۔ موسم کی خرابی کی بنا پر مظفر آباد راولپنڈی کے درمیان فضائی سروس بند کر دی گئی تھی' لہٰذا امیر محترم محمد حسین صاحب کی گاڑی سے بذریعہ سڑک ساڑھے پانچ بجے مظفر آباد سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ ناظم حلقہ شمس الحق اعوان صاحب' نائب ناظم خالد محمود عباسی صاحب' ناظم تحریک خلافت عبدالرزاق صاحب اور دیگر معاونین جو بیروٹ سے تشریف لائے تھے امیر محترم کے ساتھ ہی دو گاڑیوں کے قافلہ کی صورت میں عازم سفر ہوئے۔ اس پروگرام میں دیگر مقامات مثلاً راولپنڈی' میرپور' دنگہ اور راولاکوٹ سے بھی رفقاء معاونین نے بھی نہ صرف شرکت فرمائی بلکہ بہت زیادہ مشقت اٹھا کر انتظامی امور میں ہم سے معاونت بھی کی۔

امیر محترم اور ہمارے دیگر والیانِ امر تو اپنی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر واپس لوٹ آئے لیکن ان سب بزرگوں کی محنتیں اور دعائیں رفقاء و معاونین میں اضافے کی صورت میں ہم سب پر حجت قائم کر رہی ہیں۔ وہ تو اپنا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں' البتہ ہماری ذمہ داریاں ضرور بڑھ گئی ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے مقدور بھر عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے' ہمیں اس راہ پر مستقیم رکھے اور اس فرض کی ادائیگی میں ہمیں مالی و جانی قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (مرتب: عبدالقیوم قریشی نقیب اسرہ تنظیم اسلامی مظفر آباد)

# امیر تنظیم اسلامی کا دو روزہ دورۂ ملتان
## اور حلقہ جنوبی پنجاب کا علاقائی اجتماع

امیر محترم ۲۳ر جولائی کو ملتان تشریف لائے۔ آپ کی آمد تقریباً ساڑھے تین ماہ بعد ہوئی۔ اس بار ملتان میں آپ کا قیام دو دن رہا۔ امیر محترم کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حلقہ جنوبی پنجاب کے رفقاء کا دو روزہ علاقائی اجتماع ترتیب دیا گیا تھا تاکہ رفقاء کو امیر محترم کی صحبت سے فیض یاب ہونے اور باہمی تعارف کا موقع میسر آسکے۔ تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق صاحب مقررہ وقت سے پہلے ملتان پہنچ چکے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۳ر جولائی بروز جمعرات صبح نو بجے ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی صاحب کے درس قرآن سے علاقائی اجتماع کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳، ۱۴ کا درس دیا، جو اقامت دین کی فرضیت کا احساس اجاگر کرنے کے لئے نہایت پر اثر واقع ہوئی ہیں۔ آج جب اللہ کا دین تقریباً مغلوب ہوچکا ہے، ان حالات میں ہر مسلمان کا نہایت اہم فریضہ ہے کہ وہ اقامت دین کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگا دے اور اللہ کے دین کی گری ہوئی عمارت کو پھر سے قائم کرنے کے لئے میدان عمل میں نکل آئے۔

امیر محترم کی ملتان آمد کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک جلسہ عام کا پروگرام بھی ترتیب دیا گیا۔ ۲۳ر جولائی بعد نماز عشاء جلسے کے انعقاد کا وقت تھا۔ اسی روز صبح شہر بھر میں ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ عصر کے بعد تمام رفقاء جلسہ گاہ کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ مغرب تک جلسہ گاہ کی تیاری مکمل ہوئی۔ ۹ بج کر ۴۵ منٹ پر تلاوت کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا تلاوت کلام پاک کے بعد جناب ناظم اعلیٰ نے موجودہ ملکی و عالمی حالات میں نظام خلافت کے قیام کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ ان کے بعد جناب محمد خالد شفیع نے نظم پیش کی۔ بعد ازاں امیر محترم کے خطاب کا آغاز ہوا جو تقریباً پونے دو گھنٹے جاری رہا۔ اپنے خطاب میں امیر محترم نے نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے خدو خال پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے فرمایا کہ وقت آن پہنچا ہے کہ ہر مسلمان اللہ کے دین کو قائم کرنے اور اس پاکستان کو باقی دنیا کے لئے مینارہ نور بنانے کی جدوجہد میں شریک ہو کر دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی کوشش کرے۔ امیر محترم کے خطاب کو تقریباً ساڑھے چار سو حضرات نے سماعت فرمایا۔ جلسہ گاہ کی نشستیں پر تھیں اس کے علاوہ سڑک کے کنارے بہت سے لوگ اپنی موٹر سائیکلوں پر اور کاروں میں بیٹھے امیر محترم کا خطاب سنتے رہے۔ چند خواتین بھی کاروں کے اندر بیٹھی امیر محترم کی تقریر سنتی رہیں۔ ٹھیک ۱۲ بجے رات دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

اگلی صبح ۲۴ر جولائی کو امیر محترم نے بعد نماز فجر رفقاء تنظیم کو سورۃ الطلاق کی آیات ۲ اور ۳ کا درس دیا، جن میں اللہ پر ایمان اور توکل کی بھرپور دعوت دی گئی ہے۔ عام طور پر رفقاء کو شکایت رہتی ہے کہ معاشی اور خانگی مسائل کے اس ہجوم میں تنظیمی کاموں کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ ہمیں اللہ پر یقین قلبی والا ایمان میسر نہیں اور اللہ پر توکل سے محرومی اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے جیسے جیسے اللہ پر ایمان اور توکل کی دولت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اس راہ کی ہر رکاوٹ دور ہوتی چلی جائے گی۔ ساڑھے آٹھ بجے صبح سوال و جواب کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ نشست ۱۰ بجے تک جاری رہی اس کے بعد تمام رفقاء جمعہ کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔

ٹھیک ساڑھے بارہ بجے خطاب جمعہ کا آغاز ہوا امیر محترم نے "قرآن کا فلسفہ شہادت" کے موضوع پر نہایت فکر انگیز خطاب فرمایا۔ اجتماع میں قریباً چار سو حضرات شریک ہوئے، جنہوں نے امیر محترم کے اس خطاب کو بڑے انہماک سے سماعت فرمایا۔ نماز جمعہ کے بعد دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر تمام رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

مرتب: سعید اظہر عاصم نائب ناظم حلقہ جنوبی پنجاب

---

بقیہ: عرض احوال

کبارِ صحابہؓ ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بظاہر یہ بات بہت پریشان کن ہے کہ اسلام کے نظامِ خلافت میں ملوکیت کی آمیزش کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے والے حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ دونوں کو شہید کرنے والے سب کلمہ گو تھے اور اتنا زمانہ بھی نہیں گزرا تھا کہ نبیؐ آخرالزمان کی بے مثال تربیت کا اثر زائل ہو چکا ہو، تاہم اگر یہ بات ذہن میں رکھی جائے تو ہماری حیرت میں کمی آجاتی ہے کہ اُس وقت تک انسانی تمدن نے وہ ترقی نہیں کی تھی جس سے ہم دورِ جدید میں مستفید ہو رہے ہیں۔ ریاست و حکومت میں جو فرق و امتیاز آج ہے وہ اُس زمانے میں موجود نہ تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کے مخالف کو ریاست کا باغی سمجھا جاتا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حسین ابن علیؓ میدانِ کربلا میں نانجار کوفیوں کو ناموں سے پکار پکار کر اگر یہ نہ فرماتے کہ تمہارے دعوتی خطوط اب بھی میرے پاس ہیں تو شاید انہیں یہ دستاویزی ثبوت مٹانے کے لئے لشکرِ حسینؓ کے خیموں تک کو جلانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیرؓ الشام کے ایک جرنیل کی طرف سے عفوِ عام کی درخواست رد کر کے یہ نہ فرماتے کہ ہر حجازی کے بدلے دس شامیوں کو تہ تیغ کیا جائے گا تو ہماری تاریخ مختلف ہوتی اور کم از کم یہ دو خونی باب اس کا حصہ نہ بنتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ یوں ہو اور ہو کر رہا۔

**KHALID TRADERS**

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

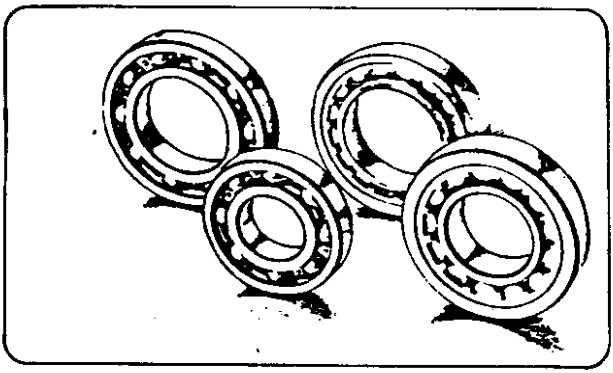



**PLEASE CONTACT**

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

**WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING**

# ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

## ....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈ لنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی۔ ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

جہاں شرط مہارت
دہاں جیت ہماری

**Jawad**®

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

## ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209
کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK - فیکس (92-21) 610522

MONTHLY
**Meesaq** (1145)
LAHORE

Regd No.L 7360
VOL. 41 No. 8
Aug 1992